وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا ۝

جامعات المدینہ اور تنظیم المدارس کے "الشھادۃ العالیۃ" کے نصاب میں داخل

حدیث کی مشہور کتاب شرح معانی الآثار کا آسان حل

بنام

تَفہِیمُ الطَّحَاوی

آسان انداز میں سوالاً جواباً تشریح (امتحانات کے امکانی سوالات کے ساتھ)

مرتب

ابو حامد خلیل احمد عطاری المدنی عفی عنہ

باہتمام

محمد ابراہیم عطاری سلمہ الباری

الغنی پبلشرز
کراچی، بہاولپور 0334-3463826

فہرست (contents.)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
1	**پیش لفظ**	12
2	**تقاریظ**	15
3	امام طحاوی کے حالات زندگی	17
4	**کتاب الصلوۃ** باب......اذان کا طریقہ کیا ہے؟	21
5	باب......اقامت کا طریقہ کیا ہے؟	24
6	باب......مؤذن کا صبح کی اذان میں ''الصلوۃ خیر من النوم'' کہنے کے بارے	27
7	باب......فجر کی اذان کس وقت دی جائے طلوعِ فجر کے بعد یا اس سے پہلے؟	28
8	باب......اذان ایک کہے اور دوسرا اقامت کہے	30
9	باب...... اذان سنتے وقت کیا کہنا مستحب ہے؟	31
10	باب...... اوقات نماز......فجر کا وقت	33
11	ظہر کا وقت	35
12	عصر کا وقت	36
13	مغرب کا وقت	38
14	عشاء کا وقت	39
15	باب...... دو نمازیں جمع کرنا کیسا ہے؟	40
16	باب...... درمیانی نماز کونسی ہے؟	42

17	باب......نماز فجر کس وقت ادا کی جائے؟	44
18	باب...... نمازِ ظہر کا مستحب وقت	46
19	باب...... نماز عصر کا مستحب وقت	47
20	باب...... نماز کے شروع میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں	50
21	باب...... تکبیر تحریمہ کے بعد کیا پڑھا جائے	51
22	باب...... نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا	52
23	باب...... ظہر و عصر میں قراءت	55
24	باب...... نمازِ مغرب میں قراءت	56
25	باب...... امام کے پیچھے قراءت کرنا	59
26	باب...... نماز میں نیچے جاتے ہوئے تکبیر کہنا	61
27	باب...... رکوع اور سجدے کی تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھانا	62
28	باب......رکوع میں تطبیق	65
29	باب...... رکوع اور سجدے کی کم از کم مقدار	67
30	باب......رکوع اور سجدے میں کیا پڑھا جائے؟	69
31	باب......کیا امام ربنا ولک الحمد بھی کہے	70
32	باب...... فجر اور دوسری نمازوں میں قنوت پڑھنا	72
33	باب...... سجدے میں پہلے ہاتھ رکھے جائیں یا گھٹنے	74
34	باب...... سجدے میں ہاتھ کہاں رکھے جائیں	76

35	باب......نماز میں بیٹھنے کا طریقہ کیا ہے؟	77
36	باب...... نماز میں تشہد کی کیفیت	79
37	باب...... نماز میں سلام کا طریقہ	82
38	باب......نماز میں سلام فرض ہے یا سنت؟	84
39	باب......وتر	86
40	باب ......فجر کی سنتوں میں قراءت	89
41	باب ......عصر کے بعد دو رکعتیں	90
42	باب ......امام کے ساتھ دو نمازی ہوں تو وہ کہاں کھڑے ہوں	92
43	باب ......نمازِ خوف کا طریقہ	94
44	باب ......حالتِ جنگ میں سوار کا سواری پر بیٹھنا	98
45	باب ......کیا استسقاء کی نماز ہے؟	99
46	باب ......سورج گرہن کی نماز	100
47	باب ......سورج گرہن کی نماز میں قراءت کیسے ہو؟	102
48	باب ......رات اور دن کے نوافل	103
49	باب ......جمعہ کے بعد کے نوافل (سنتیں)	104
50	باب ......بیٹھ کر نماز شروع کرنے والا کھڑے ہو کر رکوع کر سکتا ہے یا نہیں	105
51	باب ......مساجد میں نوافل ادا کرنا	106
52	باب ......وتروں کے بعد نفل پڑھنا	107

53	باب ......شبینہ نماز کی قراءت	108
54	باب ......ایک رکعت میں کئی سورتیں جمع کرنا	109
55	باب ......قیام رمضان گھر میں افضل ہے یا جماعت؟	110
56	باب ...... مفصل میں سجدہ ہے یا نہیں؟	112
57	باب ......گھر میں نماز پڑھنے کے بعد جماعت کو پانے والا کیا کرے؟	114
58	باب ......خطبۂ جمعہ کے وقت نماز پڑھنا؟	115
59	باب ...... فجر کی جماعت کھڑی ہو تو سنتوں کا کیا حکم ہے	116
60	باب ......ایک کپڑے میں نماز پڑھنا	118
61	باب ......اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنا	119
62	باب ......عید کی نماز دوسرے دن پڑھنا	121
63	باب ......کعبہ شریف میں نماز پڑھنا	122

......☆......☆......

استقامت کامیابی کی کُنجی ہے

کامیاب لوگ کوشش ترک نہیں کرتے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مؤلف کا تعارف

تمام تعریفیں اس خدائے بزرگ و برتر کے لئے ہیں جس نے انسانیت کی جان رحمتِ عالمیان سرورِ ذیشان صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو تمام انسانوں کی رشد و ہدایت کے لئے معلم کائنات بنا کر بھیجا رب کریم کی بے شمار رحمتیں و برکتیں نازل ہوں ان صحابہ اکرام، اہل بیت اطہار، محدثین اکرام اور اولیاء عظام پر جنہوں نے گلشن اسلام کی آبیاری اپنے خون جگر سے کی خوش بخت ہیں وہ لوگ جو دین اسلام کی ترویج اشاعت کے لئے ہر وقت مصروف عمل رہتے ہیں ایسے ہی لوگوں کی سعی پیہم سے آج ہر طرف پرچم اسلام لہراتا نظر آ رہا ہے۔ علماء اسلام کی قربانیوں اور ان کی کاوشوں نے لوگوں کے دلوں میں دین اسلام کی محبت کو اُجاگر کیا اور ہر جگہ مدارس و جامعات قائم ہیں۔ ان دینی درسگاہوں سے ایسے ایسے آفتاب علمی طلوع ہوتے ہیں کہ جن کی روشنی سے بھٹکے ہوؤں کو راہِ ہدایت ملتی ہے کامل اکمل بن جاتے ہیں۔ علماء کرام کی دینی خدمات کو دیدہ کور ہی نظر انداز کر سکتا ہے۔ یہ علماء کرام ہی وہ مبارک ہستیاں ہیں جن کے فیضان سے علمی سلسلہ چل رہا ہے اور تا قیامت چلتا رہے گا۔ اِنْ شَاءَ اللہ عَزَّوَجَلّ

علماء کرام گلشن اسلام کے مہکتے ہوئے پھول ہیں جن کی خوشبوؤں سے عالمِ اسلام مہک رہا ہے اور ان پھولوں کے درمیان ایک بہت ہی خوشنما کلی کھل رہی ہے جس کی خوشنمائی دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ جب اس کی نشوونما مکمل ہوگی تو یہ ایک ایسا مہکتا پھول ہوگا جو خوشبوئے علم کے شیدائیوں کی توجہ کا مرکز ہوگا (اللہ نظر بد سے بچائے) میری مراد فاضل نوجوان، ابو حامد خلیل احمد مغل عطاری المدنی ہیں انہوں نے حال ہی میں اپنی جہدِ مسلسل اور دینی جذبے کی بناء پر بہت کم عرصے میں بہت زیادہ علمی خدمات سرانجام دی ہیں۔ میں ان کا مختصر تعارف پیش کرتا ہوں تا کہ ان کے حالات زندگی پڑھ کر دوسروں کو بھی علمی خدمات سرانجام دینے کا جذبہ ملے۔

ع۔ محبت مجھے ان جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

نام و کنیت : والدین نے نام خلیل احمد رکھا اور کنیت ابو حامد عطاء ہوئی۔

ولادت و مقام ولادت : فاضل موصوف کی ولادت دس جنوری انیس سو چھیاسی (10-01-1986) پنجاب کے شہر بہاول پور کی تحصیل یزمان منڈی کے علاقے کڈ والا کے گاؤں سنتالیس ڈی بی (47.D.B) میں بروز جمعہ ہوئی۔

ابتدائی تعلیم : موصوف نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی، ناظرہ قرآن پاک اور پرائمری کے بعد قریبی گاؤں میں مڈل تک تعلیم حاصل کی۔

حفظ قرآن : مڈل کے بعد والد محترم کی خواہش پر 2000ء میں حفظ قرآن کے لئے جامعہ اسلامیہ نور المدارس یزمان میں داخلہ لیا جہاں شیخ المیراث حضرت علامہ مولانا مفتی قاری احمد دین علیہ رحمۃ اللہ المبین کے زیر سایہ مولانا قاری خورشید احمد نورانی سے تین سال میں قرآن کریم حفظ کیا۔

قراءۃ کورس: حفظ کے بعد مولانا قاری اعظم المظہری سے قراءت کورس کیا۔

شرف بیعت ودیدار مرشد : غالباً 2001ء میں جب بانی دعوت اسلامی شیخ طریقت پیر شریعت حضرت علامہ مولانا ابو بلال **محمد الیاس** عطار قادری رضوی ضیائی دامت برکاتہم العالیہ بہاولپور تشریف لائے تو ان کے دیدار سے مشرف ہوئے ولی کامل پر نظر پڑتے ہی ان کی محبت سے دل سرشار ہو گیا اور ان سے بیعت کر کے سلسلہ علیہ قادریہ عطاریہ میں شامل ہو گئے۔ پھر بڑے بھائی کی خواہش اور مرشد کریم سے ملاقات کا شوق انہیں باب المدینہ کراچی میں قائم دعوتِ اسلامی کے عالمی مدنی مرکز فیضان مدینہ میں لے آیا۔

مدنی قافلے میں سفر اور علم حاصل کرنے کی خواہش : صحرائے مدینہ باب المدینہ کراچی میں دعوت اسلامی کے سندھ سطح کے سالانہ تین روزہ سنتوں بھرے اجتماع میں شریک ہوئے اور بعد میں 12 دن کے لئے عاشقان رسول کے ساتھ مدنی قافلے کے مسافر بنے اور اس قافلے میں انہیں استاذ محترم مولانا فضیل عطاری المدنی، مولانا اعجاز عطاری المدنی، مولانا نعمان عطاری المدنی، مولانا فراز عطاری المدنی کے ساتھ سفر کی سعادت ملی۔ ان مدنی علماء کے ساتھ 12 دن

کے سفر میں علم دین سیکھنے کا ذہن بنا اور الحمد للہ عزوجل دعوت اسلامی کے جامعۃ المدینہ النور سوسائٹی میں داخلہ لے لیا ابتدائی تین درجات کی تعلیم وہی حاصل کی پھر جامعۃ المدینہ فیضان عثمان غنی گلستان جوہر بلاک 15 میں رابعہ اور خامسہ پھر فیضان مدینہ میں موقوف علیہ اور دورہ حدیث کیا۔

دورہ حدیث و دستار فضیلت : دورہ حدیث دعوت اسلامی کے عالمی مدنی مرکز فیضان مدینہ میں امیر اہل سنت حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی ضیائی کے مبارک ہاتھوں سے دستارِ فضیلت کی سعادت پائی۔

اور ساتھ ہی کمپیوٹر کورسز کئے اور انگلش لینگویج کورس کیا اور ساتھ ہی صحافت کورس بھی کیا اور اسی دوران عربی ٹیچنگ ٹریننگ کورس اوپن یونیورسٹی کراچی سے کیا۔ الغرض فاضل موصوف اپنی ذات میں ایک انجمن ہے، ان کا ایک بہت اہم کارنامہ درسی کتب کو سوالاً جواباً نہایت ہی آسان انداز میں پیش کرنا بھی ہے جس سے طلباء کو بہت آسانی ہوگی، اب فاضل موصوف مندرجہ ذیل کتب پر کام کر چکے ہیں نصاب مؤطا امام محمد، نصاب مؤطا امام مالک، تفہیم الطحاوی، آسان متنبی اور خلیل الوراثت وغیرہ ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی انہیں مزید ترقی عطا فرمائے اور دین اسلام کا سچا خادم بنائے ہماری دعائیں ہر ان کے ساتھ ہیں اللہ تعالی ان کی کاوشوں کو قبول فرمائے اللہ عزوجل حاسدوں کے حسد سے محفوظ رکھے اور ہمیشہ دینی خدمات سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خدا تجھے مزید رفعت عطا فرمائے   دین و دنیا میں عزت عطا فرمائے

طالب دعا

ابوطلحہ **سید محمد سجاد** عطاری المدنی عفر لہ الغنی
المدینۃ العلمیۃ، حال مقیم کراچی، مستقل مقیم تحصیل و ضلع بہاولپور

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى اِحْسَانِهٖ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّهٖ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ .

اَمَّا بَعْدُ : **اللہ تعالیٰ** کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں علم دین کی دولت سے نوازا، اور علم کی شمع ہمارے سینوں میں روشن فرمائی، یہی وہ شمع ہے جو روشن رہتی ہے تو زمانہ روشن رہتا ہے جس سے قلوب میں ایک روشنی سی پھوٹتی ہے اور وہ اس جسم کی قندیلوں کو چمکا کر زمانے میں چمکنے والا ایک ستارا بنا دیتی ہے۔ علم کا باب اتنا وسیع ہے کہ اس کی فضیلت کے بارے میں جتنا کلام کیا جائے کم ہے کہ اسی علم کی بدولت تو **اللہ تعالیٰ** نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کروایا اور خود باری تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سب کچھ سکھا دیا اور فرمایا: اے فرشتوں پوچھو! کیا پوچھتے ہو

قرآن کریم کا علم حاصل کریں یا حدیث مبارکہ کا علم حاصل کریں ان علوم کا مطلوب رضائے الٰہی ہونا چاہیے اور صرف **اللہ تعالیٰ** کی رضا کے لئے علم سیکھا جائے امتِ محمدیہ کی اصلاح کی خاطر اور اسی امت کی آسانی کے لئے اپنے آپ کو علم دین سیکھنے میں مصروف رکھے اسی طرح کی اچھی اچھی نیتوں کے ساتھ **اللہ تعالیٰ** کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ **اللہ تعالیٰ** مجھے بھی علم نافع نصیب فرمائے اور اس علم کو میرے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین

میں نے اَلْحَمْدُ لِلّٰه جب سے نصابی کتب پر کام کرنے کا ذہن بنایا تب سے یہ بات ذہن میں تھی کہ ”**شرح معانی الآثار**“ پر بھی کام کروں گا اور اس کا عام فہم، آسان انداز میں طلباء کے لئے سوالاً جواباً تشریح پیش کروں گا جو طلباء کو امتحانات میں مدد دے **اللہ تعالیٰ** کا شکر ہے کہ جب اس کتاب پر کام شروع کیا تو دوستوں کے مشوروں سے اس کتاب کا جہاں انداز سہل سے سہل ہوتا گیا وہیں اس میں چند بڑے ہی پیارے اضافے بھی ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے۔

☆............تنظیم المدارس کے نصابی حصے کا عام فہم حل

☆............ہر باب کو سوالاً جواباً آسان حل کرنے کی سعی

☆............اختلاف ائمہ کو مع الدلائل پیش کرنے کی سعی

☆............دلائل کو آسان انداز میں بیان کرنے کی سعی

☆............اس کتاب میں بالخصوص طلباء کے لئے پیپرز کے آسان حل کو مدِ نظر رکھا گیا ہے **اللہ تعالیٰ**

اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں فرمائے۔ ☆............اور اس کتاب کا نام میں نے "تفہیم الطحاوی" رکھا۔

اس تیز رفتار ترقی یافتہ زمانے نے جہاں صبح و شام، لیل و نہار ہر علم کو خلاصۃً منضبط کرنے کے طریقے بیان کئے وہیں ان طریقوں کے فوائد کو بھی بیان کیا اور اس دور میں ہر انسان بشمول طلباء (Students) مختلف معاملات کی وجہ سے اپنی مشغولیت و مصروفیت کا اِظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جس کا اندازہ ہر اُستاذ اور طالب علم کو ہے جب میں نے 2011ء میں دورہ حدیث میں پڑھتے ہوئے اپنی اور دیگر طلباء کی سالانہ امتحان کی تیاری کو دیکھا کہ تیاری میں امتحانی ایام میں مشکلات ہیں، بخاری و مسلم کا طویل نصاب اِسی طرح نسائی، ابن ماجہ، ترمذی، ابوداؤد، مؤطّین یعنی مؤطّا اِمام محمد و مؤطّا امام مالک کے پورے نصاب کو ایک رات میں نہ صرف پڑھنا بلکہ اہم اختلافاتِ آئمہ اور امتحان میں آنے والے اہم موضوعات پوری کتاب میں تلاش کرنا اور شروحات میں ان کو دیکھنا یہ کثیر وقت کو صرف کر دیتا ہے جس کی بدولت بعض ابحاث رہ جاتی ہیں اور ممکنہ سوالات مکمل طور پر حل نہیں ہو پاتے اور یہی حال اس کتاب سراجی کا ہے کہ اس کے تمام اسباق ایک رات میں ہو سکیں بلکہ ہر کتاب میں مشکل پیش آتی ہے۔

اِن امور کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے دوستوں کے مشورے سے یہ بات طے پائی کہ ان پر باقاعدہ کام شروع کیا جائے اور طلباء کے لئے آسانی کی جائے اور اس میں بالخصوص یہ امر پیشِ نظر تھا ہر طالبِ علم ضخیم شروحات تو درکنار بعض تو صحاح ستہ کے متون بھی نہیں خرید سکتے، لہٰذا ہم نے صحاح ستہ کے رائج نصاب کا مختصر حل مناسب ہدیئے میں پیش کرنے کا ارادہ کیا اور اس پر باقاعدہ کام (work) شروع کر دیا سب سے پہلے میں نے بخاری و مسلم کے علاوہ ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابوداؤد، مؤطّین یعنی مؤطا امام محمد و مؤطا امام مالک کا نصاب میں شامل عربی متن شائع کیا اور تقریباً چھ ماہ کے مختصر عرصے میں موطاء امام محمد کے نصاب کو عربی متن، آسان ترجمہ مع سوالاً جواباً شرح کے ساتھ حل کرنے کی سعی کی اور سراجی کی آسان شرح، عربی، اُردو ترجمہ مع آسان حل سوالاً جواباً اور، قانونِ وراثت اور آئینِ پاکستان کا تقابلی جائزہ بھی شامل کیا ہے، اور **اب شرح معانی الآثار کو بنام "تفہیم الطحاوی"** کو عام فہم، سوالاً جواباً ہر باب کی تشریح مع اختلافِ ائمہ بیان کی ہے۔ ان تمام میں تقریباً گزشتہ سات سالہ امتحانی سوالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے حل کیا گیا ہے۔ میری کوشش ہے کہ ہر نصابی کام پر کروں اللہ تعالیٰ استقامت نصیب فرمائے اور نظرِ بد سے بچائے۔ (آمین)

اِس حل میں ہر وہ خوبی جو آپ کو نظر آئے تو وہ میرے پیر و مرشد مکرم و محترم اساتذہ، والدین کی دعاؤں کا صدقہ ہے اور ہر وہ خامی جس پر حقیقۃً آپ مطلع ہوں وہ میری کم مائیگی و کم علمی ہے، ربِ کریم کی بارگاہ میں دعا ہے (**رب زدنی علما نافعاً**) اور مزید دُعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ علم نافع کے لئے میرا سینہ کھول دے (**رب اشرح لی صدری و یسر لی امری واحلل عقدۃً من لسانی یفقھوا قولی**) آمین۔

بالخصوص میں اپنے اساتذہ کا احسان کبھی نہیں بُھلا سکوں گا کہ جنہوں نے مجھے نہ صرف قلم پکڑنا سکھایا بلکہ جب جب کسی وجہ سے حوصلہ پست ہوا، میری حوصلہ افزائی کی، خصوصاً استاذِ محترم حضرت مولانا **فہیم رضا** عطاری المدنی سلمہ الغنی کا کہ آپ نے یہ کتاب ہمیں پڑھائی، یہ سب اللہ تعالیٰ کا خاص کرم اور اساتذہ کی خصوصی شفقتیں ہیں اور استاذِ محترم حضرت مولانا **فہیم رضا** عطاری المدنی سلمہ الغنی اور حضرت مولانا **احمد رضا شامی** عطاری المدنی سلمہ الغنی کا، کہ ان کی خاص توجہ سے آج یہ توفیق ملی اور میں سمجھتا ہوں کہ جب تک اپنے ان کرم فرماوں کا تذکرہ نہ کرلوں میرا کلام نامکمل ہے۔

میں مشکور ہوں اپنے ان دوستوں کا جنہوں نے اس کتاب کی پروف ریڈنگ (Proof reading) اور اس کے بارے میں مفید مشورے دیئے جن میں جناب مولانا محمد عدنان چشتی المدنی سلمہ الغنی ہیں، **اللّٰہ تعالیٰ** اِن کو علمِ دین کی خُوب خُوب برکتیں عطا فرمائے اور جنّت میں ہم سب کو آقا علیہ السلام کا پڑوس نصیب فرمائے۔ آمین

یہی ہے آرزو کہ تعلیمِ قرآن و حدیث عام ہو جائے
ہر پرچم سے اونچا پرچمِ اسلام ہو جائے

ابو حامد **خلیل احمد** عطاری المدنی عفی عنہ
حال مقیم کراچی، مستقل، بہاولپور 0334-3463826

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

استاذِ محترم حضرت مولانا ابو الحسن **محمد فہیم رضا** قادری المدنی مد ظلہ العالی

﴿مدرس جامعۃ المدینہ فیضان مدینہ کراچی﴾

الحمد للّٰہ رب العلمین۔ مسلمانوں کے دین کا سرمایہ اور ان کی متاعِ کل سرکار ﷺ کی حیاتِ طیبہ و مبارکہ ہے۔ آپ علیہ السلام کے اقوال و افعال و احوال اور آپ ﷺ کے شب و روز کے معمولات بلا شبہ مسلمانوں کے لئے سرچشمہ ہدایت ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سرکار علیہ السلام کی ظاہری حیاتِ مبارکہ کے لمحات کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ آپ علیہ السلام کی سیرت کے وہ پہلو جن کا تعلق خلوت سے ہو یا جلوت سے، سفر سے ہو یا حضر سے، نجی حالات سے ہو یا عام سیاسی معاملات سے، مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے اُسے بیان بھی کیا، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سرکار ﷺ کی احادیث کا باہمی طور پر نہ صرف تکرار کیا بلکہ سینوں سے لیکر صحیفوں تک انہیں محفوظ بھی کیا، ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین نے بھی حفظِ حدیث و کتابتِ حدیث کے عمل کو جاری رکھا اور علمِ حدیث کی تحصیل کیلئے اپنی زندگیاں وقف کر دی۔

اور بسا اوقات صرف ایک حدیث کی خاطر سینکڑوں میل کا سفر طے کیا، حافظ دارمی نے اپنی سنن اور خطیبِ بغدادی نے "الرحلۃ فی طلب الحدیث" میں جلیل القدر تابعی حضرت عبد اللہ بن زید البصری سے نقل کی، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک شخص کے بارے میں معلوم ہوا جن کے پاس سرکار علیہ السلام کی صرف ایک حدیث تھی اور وہ اسے بیان فرماتے تھے میں مدینہ پاک میں صرف ایک حدیث کو سننے کے لیے تین مہینے تک ٹھہرا رہا یہاںتک کہ وہ تشریف لائے اور مجھے حدیث بیان کی۔ بہر حال اسلاف کی محنتیں اسی طرح جاری رہی ہیں یہاںتک کہ دوسری صدی ہجری کے بعد با قاعدہ احادیث کی تدوین شروع ہوئی اور ابواب و فصول کی ترتیب کے اعتبار سے کتبِ احادیث مُدوّن ہوئیں۔ احادیث کی اِنہیں کتابوں میں سے ایک کتاب شرح معانی الآثار بھی ہے، جس کے مختلف ابواب تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کے عالیہ کے سال اوّل کے نصاب کا حصہ ہیں اور زیرِ نظر کتاب بھی شرح معانی الآثار بنام '**تفہیم الطحاوی**' وہ نصابی حصہ ہے جس پر سوالاً جواباً شرح اور دلائل کی توضیح کا کام، فاضل موصوف مولانا خلیل احمد عطاری المدنی سلمہ الغنی نے سرانجام دیا ہے۔

مَاشَاءَ اللہ عزّوَجل موصوف زمانہ طالب علمی سے ہی کتابوں کے نوٹس بنانے، انہیں آسان کرنے اور کتاب میں ذکر کردہ مسائل کی آسان انداز میں توضیح کرنے کے حوالے سے مشہور رہے ہیں اور "شرح معانی الآثار" کے نصابی حصہ کا حل بھی موصوف کی محنت اور کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

راقم الحروف دعا گو ہے کہ ربّ کریم عزوجل انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور موصوف کی محنت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اسے طلباء کرام کے لئے نفع بخش بنائے۔ (آمین بجاہ النبی الامین، صلی اللہ علیہ وسلم)

ابو الحسن **محمد فہیم رضا** قادری المدنی سلمہ الغنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا ابو سلمان **محمد عدنان** چشتی المدنی سلمہ الغنی

﴿المدینۃ العلمیہ، فیضان مدینہ کراچی﴾

اَلْحَمْدُ للہ عزوجل و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔

ہیں جہاں میں وہی لوگ اچھے
جو آتے ہیں کام دوسروں کے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے ! تم میں سے جو اپنے مسلمان بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہو وہ نفع پہنچائے۔ (مسلم، مسند احمد)

یقیناً وہ عمل کہ جس سے دوسروں کو فائدہ پہنچے وہ افضل ہے اس سے کہ جس سے صرف اپنی ذات کو فائدہ پہنچے۔ اس عالمِ ناپید میں ہمیں ایسے لوگ کم ہی نظر آتے ہیں جو دوسروں کی بھلائی اور کامیابی کے لیے کوشاں ہوتے ہیں یہ معاملہ زندگی کے کسی بھی شعبے کا کیوں نہ ہو دنیوی خواہ اُخروی، بعض لوگوں کو **اللہ تعالیٰ** غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازتا ہے اور ایسے لوگ اپنی ان صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دوسروں کو بھی اس سے مستفید کرتے ہیں۔

- انہی میں سے ایک مولانا **خلیل احمد المدنی** سلمہ الغنی بھی ہیں ماشاء اللہ زمانہ طالب علمی سے ہی نہ صرف اپنے ہم درجہ بلکہ دیگر طلباء کی خیر خواہی کے لیے وقتاً فوقتاً مختلف کارہائے نمایاں سرانجام دیتے رہے دوران سال ہونے والے ٹیسٹ ہوں یا ششماہی و سالانہ امتحانات موصوف ہمیشہ طلباء کی نگاہوں کا محور ہوئے اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کو استعمال کرتے مختلف ہوئے نصابی کتب کے آسان ترین نوٹس تیار کرنا امتحانی سوالات کا حل پیش کرنا موصوف کا طرہ امتیاز رہا ہے یہی وجہ ہے کہ **اللہ تعالیٰ** کے فضل و کرم اور مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی نظرِ عنایت سے ان کے اس طرح کے مختصر حل شائع ہونے سے قبل ہی یہ صرف جامعات المدینہ (دعوتِ اسلامی) بلکہ دیگر جامعاتِ اہلسنت میں بھی دادِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔

زیر نظر کتاب "شرح معانی الآثار" کا وہ نصابی حصہ ہے کہ جس پر سوالاً جواباً شرح، اختلاف مذاہب کا کام برادرم مولانا **خلیل احمد المدنی** سلمہ الغنی نے سرانجام دیا ہے۔ یہ بالعموم تمام ہی طلباء اور بالخصوص غیر مقیم طلباء کے لئے کسی نعمتِ غیرِ مترقبہ سے کم نہیں، پڑھ کر دل سے یہی صدا بلند ہوتی ہے کہ ؎ خدا کرے زورِ قلم زیادہ

قارئین کے لئے ایک مسرت افزاء خبر یہ بھی ہے کہ مولانا کے قلم سے عنقریب اِنْ شَاءَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ ہدایۃ الحکمۃ اور دیگر نصابی کتب کا حل بھی آپ کے زیر مطالعہ ہوگا، مولانا موصوف مَاشَاءَ اللّٰہُ ان پر بھی تقریباً کام مکمل کر چکے ہیں۔ **اللہ** کریم مولانا کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ابو سلمان **محمد عدنان** چشتی المدنی سلمہ الغنی ﴿المدینۃ العلمیہ فیضان مدینہ، حال مقیم کراچی، مستقل مقیم وہاڑی﴾

امام طحاوی کے مختصر حالات زندگی

کنیت: ابوجعفر **نام**: احمد **نسبت**: ازدی، طحاوی۔

شجرہ نسب: ابوجعفر احمد بن محمد سلامہ بن سلمۃ بن عبدالملک الازدی، الحجری، المصری، الطحاوی۔

ازدی، حجری کہلانے کی وجہ: ازد یمن کا ایک قبیلہ ہے، اور حجر اس کی ایک شاخ ہے، چونکہ امام طحاوی کا تعلق قبیلہ ازد کی شاخ سے تھا اس وجہ سے آپ ازدی حجری کہلاتے تھے۔

مصری کہلانے کی وجہ: آپ کے آباء اجداد فتح اسلام کے بعد مصر میں تشریف لے گئے تھے، اس لئے آپ مصری بھی کہلاتے ہیں۔

طحاوی کہلانے کی وجہ: طحاء، صعیدِ مصر کے دیہات میں سے ایک گاؤں ہے، اور مصر میں آپ طحاء کے مقام پر رہتے تھے۔ اسی نسبت کی وجہ سے آپ طحاوی کہلاتے ہیں، بعض نے کہا ہے کہ مصر میں وادی نیل کے کنارے طحاء نام کی ای بستی میں پیدا ہونے کی وجہ سے طحاوی کہا جاتا ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت کے بارے اقوال۔۔۔۔

(۱) علامہ ابن حجر اور شاہ عبدالحق محدث دھلوی فرماتے ہیں کہ امام طحاوی 239ھ کو پیدا ہوئے۔

(۲) امام ذہبی فرماتے ہیں کہ امام طحاوی 237ھ کو پیدا ہوئے۔

(۳) راجح قول کے مطابق آپ کی پیدائش اتوار 10 ربیع الاول 229ھ کو ہوئی۔

مسلک: امام طحاوی حنفی المسلک تھے۔

یاد رکھیں: امام طحاوی شروع میں شافعی مسلک تھے اور آپ کے ماموں بھی چونکہ شافعی تھے اور آپ بھی ان کے پاس پڑھا کرتے تھے،

شافعی مسلک چھوڑنے کی وجہ: امام ابوجعفر احمد بن محمد ایک مرتبہ اپنے ماموں کی درس گاہ میں موجود تھے کہ آپ کے ماموں نے ایک مرتبہ مسئلہ بیان کہ جب کوئی حاملہ عورت

مرجائے۔ اور زندہ بچہ پیٹ میں ہو تو اس کو نکالا نہیں جائے گا۔ جب کہ امام اعظم کے نزدیک اس زندہ بچے کو نکالا جائے گا۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد چونکہ قوت استدلال کی وجہ سے بہت تیزی سے فقہ شافعیت سے فقہ حنفیت کی طرف آ رہے تھے۔

امام طحاوی کو جب اپنی ولادت کے بارے معلوم ہوا کہ ان کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا اور آپ ماں کے پیٹ میں تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں اس مسلک پر کس طرح چلوں کہ جو میری ہلاکت پر راضی ہے۔ آپ کو ملک شام میں قاضی القضاۃ کا رتبہ ملا۔ ایک دن ایک شخص آیا اور کہا کہ ابوعبیدہ بن ابوجراح نے کونسی روایتیں بیان کی ہیں۔ قاضی اور تمام لوگ خاموش رہے، امام طحاوی نے مکمل احادیث بیان کر دیں۔ آپ کو ان کے علاوہ دیگر علوم پر بھی دسترس حاصل تھی۔

سماع حدیث کے لئے سفر : علامہ کوثری فرماتے ہیں کہ آپ نے حدیث کے سماع کے لئے بہت طویل سفر اختیار کئے۔ آپ مصر، مقاربہ، بصرہ، یمن، حجاز، کوفہ، شام اور خرسان وغیرہ مختلف ممالک میں تشریف لے گئے۔ ان تمام ممالک سے علم کی روشنی جمع کی بالآخر ایک وقت وہ آیا کہ اپنے زمانے میں تحقیق مسائل اور دقت نظر کے لحاظ سے امام طحاوی کا کوئی مثل نہ تھا۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد بے شمار ہے۔ چند کو ذکر کرتے ہیں۔

الاساتذہ :

﴿1﴾...... ابراھیم بن ابوداؤد سرکسی

﴿2﴾...... ابراھیم بن منقد خولانی

﴿3﴾...... ابراھیم بن محمد صیرنی

﴿4﴾...... احمد بن قاسم کوفی

﴿5﴾...... احمد بن داؤد سہل رازی

﴿6﴾...... احمد بن اصرم مزنی

﴿7﴾...... احمد بن مسعود مقدسی

﴿8﴾...... احمد بن سعید فہری

﴿9﴾...... ابوشیر احمد دولابی

﴿10﴾...... احمد بن خالد فارسی۔

التلامذہ :

﴿1﴾......ابوعثمان احمد بن ابراہیم
﴿2﴾......احمد بن عبدالورث زجاج
﴿3﴾......ابومحمد حسن بن قاسم
﴿4﴾......سلیمان بن احمد طبرانی
﴿5﴾......عبدالرحمٰن بن اسحاق جوہری

تصانیف:

﴿1﴾......احکام القرآن
﴿2﴾......شرح معانی الاثار
﴿3﴾......صحیح الاثار
﴿4﴾......عقیدہ طحاوی
﴿5﴾......کتاب المعادن
﴿6﴾......حکم ارض مکہ
﴿7﴾......حکم الفیہ والمفنی
﴿8﴾......کتاب الشدد
﴿9﴾......شرح الجامع الصغیر
﴿10﴾......شرح الجامع الکبیر

امام طحاوی کا علمی مقام:

(۱)علامہ عینی نخب الافکار میں فرماتے ہیں:

امام طحاوی کی دیانت، امانت، فضیلت کاملہ اور علم حدیث میں بدطولی اور حدیث کے ناسخ و منسوخ کی مہارت پر اجماع ہو چکا ہے۔ امام طحاوی کے بعد کوئی ان کا مقام پر نہیں کر سکتا۔

(۲)ابوسعید بن یونس تاریخ علماء مصر میں لکھتے ہیں:

کہ امام طحاوی صاحب ثقابت وفقہ کے ساتھ ساتھ علم حدیث پر نظر رکھتے تھے ان کے بعد کوئی ان جیسا نہیں ہوا۔ علم حدیث کے امام فرماتے ہیں کہ اگر آپ کی کوئی علمی حیثیت کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے تو وہ معانی الآثار کو پڑھ لے کسی بھی مسلک میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

کتاب کی شروحات:

﴿1﴾......الحاوی فی تخریج احادیث معانی الآثار۔۔۔۔ حافظ عبدالقادر قریشی

﴿2﴾......مبانی الاخیار۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔علامہ عینی علیہ الرحمہ

﴿3﴾......نخب الافکار۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔علامہ عینی علیہ الرحمہ

﴿4﴾......مغانی الاخبار فی رجال معانی الآثار۔۔۔۔۔علامہ عینی علیہ الرحمہ

وفات: آپ کی وفات بالاتفاق بدھ اور جمعرات کی درمیانی رات 30 شوال 321ھ کو مصر میں ہوئی۔

.....★.....★.....

قرض اور پریشانی کا حل

یادرکھیں: مشکل کاموں کو ایک طرف مت کیجئے، بلکہ چیلنج سمجھتے ہوئے کیجئے، ان کو ناممکن سمجھتے ہوئے نہیں

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: کیا بات ہے، میں تمہیں مسجد میں اوقات نماز کے علاوہ بھی دیکھتا ہوں؟ انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ، کچھ فکریں اور کچھ قرضے مجھ سے چمٹے ہوئے ہیں۔'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں ایسی دعا نہ بتاؤں جو اگر تم پڑھنا شروع کردو تو اللہ عزوجل تمہاری فکر کو بھی دور فرمادے اور قرض بھی ادا کرے گا۔ انہوں نے عرض کیا ہاں! یارسول اللہ ﷺ ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا صبح وشام یہ پڑھ لیا کرو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ وَالْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعِ الدَّیْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ. یعنی اے اللہ عزوجل میں تیری پناہ مانگتا ہوں، غم وحزن اور عجز وسستی اور بزدلی و بخل اور قرض کی گراں باری اور لوگوں کے غلبہ سے۔ حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری فکریں دور فرمادیں اور میرا قرض بھی ادا کردیا۔

.....★.....★.....

كتاب الصلوة

بابُ الاذان کیف ھو؟

﴿اذان کا طریقہ کیا ہے؟﴾

سوال : کلماتِ اذان کے بارے اختلاف ائمہ مع دلائل بیان فرمائیں؟

جواب : کلماتِ اذان کے بارے میں تین مذاہب ہیں۔

پہلا احناف کا مذہب : ان کے ساتھ امام احمد اور امام اسحاق رحمھما اللہ ہیں، یہ فرماتے ہیں کہ اذان کے کلمات 15 ہیں یعنی پہلی تکبیر 4 بار، شہادت 4 بار، حیعلہ 4 بار، دوسری تکبیر 2 بار، اور کلمہ توحید 1 بار ہے۔

دوسرا مالکیہ کا مذہب : ان کے ساتھ حسن بصری، ابن سیرین اور اہل مدینہ ہیں، ان کے نزدیک اذان کے 17 کلمات ہیں یعنی پہلی تکبیر 2 بار، شہادت 8 بار، حیعلہ 4 بار، دوسری تکبیر 2 بار، اور کلمہ توحید 1 بار ہے۔

تیسرا شوافع کا مذہب : ان کے نزدیک اذان کے 19 کلمات ہیں یعنی پہلی تکبیر 4 بار، شہادت 8 بار، حیعلہ 4 بار، دوسری تکبیر 2 بار، اور کلمہ توحید 1 بار ہے۔

سوال : اذان کے کلمات میں اصل اختلاف کتنے مقامات پر ہے؟

جواب : اذان کے کلمات میں اصل اختلاف دو مقامات پر ہے، (۱)۔ التربیع فی التکبیر (۲)۔ الترجیع فی الشھادتین۔

سوال : التربیع فی التکبیر سے کیا مراد ہے؟

جواب : اس سے مراد یہ ہے کہ اذان کی ابتداء میں تکبیر کتنی بار کہی جائے گی یعنی کلمات توحید کتنے بار ہوں گے 2 بار یا 4 بار اور اس بارے میں دو مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب : امام مالک، حسن بصری، ابن سیرین رحمھم اللہ وغیرہ کے نزدیک پہلی تکبیر میں تربیع نہیں ہے۔

نوٹ : ان کے نزدیک پہلی تکبیر میں تربیع نہیں۔

دلیل : عَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ قَالَ :عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَذَانَ كَمَا تُؤَذِّنُونَ الْآنَ " اَللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ " .

دوسرا مذہب : ائمہ ثلاثہ اور امام اسحاق رحمھم اللہ کے نزدیک پہلی تکبیر میں تربیع ہے یعنی شروع میں اللہ اکبر 4 بار۔

سوال : الترجیع فی الشھادتین سے کیا مراد ہے؟

جواب : اس سے مراد یہ ہے کہ اذان میں کلمہ شھادت کو ایک بار آہستہ اور دوسری بار بلند آواز سے کہا جائے یعنی شھادتین کو دوبارہ پڑھا جائے تو اس طرح یہ 8 بار ہو جائے گا۔ اس بارے میں دو مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب : امام شافعی، امام مالک، حسن بصری اور اہل مدینہ شھادتین میں ترجیع کے قائل ہیں۔

دلیل : حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اذان اسی طرح سکھائی ہے

دوسرا مذہب : امام اعظم ابو حنیفہ، امام احمد اور امام اسحاق رحمھم اللہ کلمات اذان میں عدم ترجیع کے قائل ہیں۔

دلیل : یہ بھی حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اذان انیس کلمات سکھائی ہے اللہ اکبر (چار بار) پھر پہلی روایت کی مثل ہے۔

جواب : جہاں تک ترجیع کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی نفی ہوجاتی ہے، وہ فرماتے ہیں "آسمان سے ایک شخص اترا جس پر سبز رنگ کے دو کپڑے یا (فرمایا) دو چادریں تھیں اس نے دیوار کے اوپر کھڑے ہوکر اذان دی" اس میں حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی مثل ہے البتہ ترجیع کا ذکر نہیں وہ فرماتے ہیں میں نے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوکر بتایا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے جو کچھ تم نے دیکھا وہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سکھاؤ۔

سوال : **فکان ھذا القول عندنا اصح القولین فی النظر.** عبارت کو اس انداز میں بیان کریں کہ نظر طحاوی واضح ہوجائے؟

جواب : امام طحاوی فرمارہے ہیں کہ ہمارے نزدیک قیاس کے مطابق یہ قول زیادہ صحیح ہے۔

دلیل نظر طحاوی : کیونکہ اذان کے بعض کلمات دو مقامات پر جیسے **اشھد ان لا الہ الا اللہ** اور آخر اذان میں **لا الہ الا اللہ** اور بعض ایک مقام پر ہیں جیسے **حی علی الصلوۃ** اور **حی علی الفلاح**۔

تو اس بارے **قاعدہ** یہ ہے کہ جو کلمات اذان دو مقامات پر آتے ہیں وہ پہلے مقام پر دوسرے مقام سے دُگنے پڑھے جائیں گے، جیسے **اشھد ان لا الہ الا اللہ** کو شروع میں دگنا پڑھا جاتا ہے تو **قیاس** یہ ہے کہ **اللہ اکبر** جو کہ اذان میں دو مقام پر آتا ہے اسے بھی دوسرے مقام سے دُگنا پڑھا جائے اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ دوسرے مقام پر دو بار ہی پڑھا جائے گا تو قیاس کا تقاضا

ہے کہ شروع اذان میں اللہ اکبر چار بار ہونا چاہئے۔ اسی کو امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہی قیاس صحیح ہے اور یہی قول احناف (امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد) کا ہے البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے قول کی طرح بھی مروی ہے۔

سوال : **فلما احتمل ذالک وجب النظر** ...... اس عبارت کی وضاحت کریں ؟

جواب : جب یہ احتمال ہے تو صحیح قول معلوم کرنے کے لیے قیاس کی طرف رجوع کریں گے اور وہ یہ ہے کہ ....**دلیل نظر طحاوی** : جب دونوں روایات میں اختلاف ہوا تو اسے یوں حل کیا جائے گا کہ ممکن ہے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے اس قدر آواز بلند نہ کی ہو جس قدر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے تو آپ نے دوبارہ یہ کلمات کہنے کا حکم فرمایا جب یہ احتمال بھی ہے تو صحیح قول معلوم کرنے کے لیے قیاس کی طرف رجوع کریں گے تو ہم دیکھتے ہیں قیاس بھی ترجیع کے خلاف ہے وہ یوں کہ ترجیع کے سلسلے میں اختلاف صرف کلماتِ شہادت میں ہے باقی کلمات میں اتفاق ہے کہ ترجیع نہیں ہوگی تو مختلف فیہ مقام کو اس مقام پر قیاس کریں گے جہاں اختلاف نہیں یعنی باقی کلمات میں ترجیع نہ ہونے پر اتفاق ہے لہذا یہاں بھی ترجیع نہ ہوگی، تینوں حنفی آئمہ کا یہی قول ہے۔

باب الاقامۃ کیف ھو؟

﴿اقامت کا طریقہ کیا ہے؟﴾

سوال : کلماتِ اقامت کتنے ہیں اختلاف مع الدلائل بیان فرمائیں؟

جواب : کلماتِ اقامت کے بارے تین قسم کی روایات مروی ہیں اسی بنیاد پر اس سلسلے میں تین مذاہب اختیار کیے گئے۔

امام اعظم کا مذھب : ان کے ساتھ عبداللہ بن مبارک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُمَا ہیں ان

کے نزدیک کلمات اقامت 17 ہیں اور اذان اور اقامت کے کلمات میں کوئی فرق نہیں البتہ "قدقامت الصلوۃ" کے الفاظ اقامت میں ہوں گے اذان میں نہیں۔

دلیل : حضرت عبداللہ بن زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعالٰی عَنہُ کی روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا وہ آسمان سے اُترا، اس پر دو سبز کپڑے یا چادریں تھیں وہ دیوار کے اُوپر کھڑا ہوا، اور اس طرح اذان دی جس طرح پہلے باب میں گزر چکا ہے، پھر وہ بیٹھ گیا اس کے بعد کھڑے ہو کر اذان کی طرح اقامت کہی حضرت عبداللہ بن زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعالٰی عَنہُ نے بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر بتایا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے جو کچھ تم نے دیکھا ہے حضرت بلال رَضِیَ اللّٰہُ تَعالٰی عَنہُ کو سکھا دو۔ پھر خود حضرت بلال رَضِیَ اللّٰہُ تَعالٰی عَنہُ سے بھی مروی ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے بعد اذان اور اقامت کے کلمات دو دو بارہ کہتے تھے حضرت سوید بن غفلہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعالٰی عَنہُ بھی حضرت بلال رَضِیَ اللّٰہُ تَعالٰی عَنہُ سے اسی طرح روایت کرتے ہیں، حضرت ابو محذورہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعالٰی عَنہُ کی روایت میں بھی اسی طرح ہے البتہ اس میں "قدقامت الصلوۃ" کے الفاظ نہیں ہیں، تو یہ مذہب ثابت ہو گیا کہ حضرت بلال رَضِیَ اللّٰہُ تَعالٰی عَنہُ کا حضور علیہ السلام کے بعد اس پر عمل اس کی تائید کرتا ہے۔

دلیل نظر طحاوی : جہاں تک قیاس کا تعلق ہے تو چونکہ اقامت ایک مستقل عمل ہے لہذا وہ بھی اذان کی طرح ہوگی پھر سب کا اتفاق ہے کہ آخر میں اللہ اکبر دو بار کہا جائے گا اگر یہ اذان سے نصف ہو کر آتی ہے تو اللّٰہ اکبر ایک بار کہا جاتا، صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بھی اقامت، اذان ہی کی طرح مروی ہے۔

نوٹ : حضرت سلمہ بن اکوع، حضرت ثوبان اور حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہم اس طرح اقامت کہتے تھے، حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حکمرانوں نے اقامت میں تخفیف پیدا کی گویا یہ عمل

بدعت ہے اصل یہی ہے کہ کلمات جوڑا جوڑا ہوں۔

امام مالک کا مذہب : ان کے ساتھ اہلِ مدینہ ہیں ان کے نزدیک کلماتِ اقامت دس ہیں۔

دلیل : عن انس بن مالک رضی اللّٰہ عنہ قال : أمر بلال أن یشفع الأذان ،ویوتر الأقامۃ .

اس روایت میں تصریح ہے کہ اذان کے کلمات دو دو ہیں جبکہ اقامت کے کلمات ایک ایک ہیں اس طرح کل کلمات دس ہیں۔

امام شافعی کا مذہب : ان کے ساتھ امام احمد اور امام اسحاق ۔۔۔۔۔ ہیں ان کے نزدیک کلماتِ اقامت گیارہ ہیں۔

دلیل : عن انس بن مالک رضی اللّٰہ عنہ قال : أمر بلال أن یشفع الأذان ،ویوتر الأقامۃ الاالا قامۃ .

اس روایت میں تصریح ہے کہ اذان کے کلمات دو دو ہیں جبکہ اقامت کے کلمات ایک ایک ہیں سوائے اقامت کے کلمات (قد قامت الصلوۃ) کے، اس طرح کل کلمات گیارہ ہیں۔

دلیلِ نظر طحاوی : قائلین قیاس سے بھی استدلال کرتے ہیں وہ یوں کہ جس طرح اذان کے وہ کلمات جو دو جگہوں میں آتے ہیں دوسری بار پہلے سے نصف ہوکر آتے ہیں چونکہ اقامت، اذان کے بعد ہوتی ہے لہذا یہ اسی کا حصہ ہے بنابریں اس کے کلمات، کلماتِ اذان سے نصف ہوکر آنے چاہیں البتہ" قدقامت الصلوۃ " کے الفاظ چونکہ اذان میں نہیں ہیں لہذا وہ دو بار ہی ہوں۔

باب قول المؤذن فی اذان الصبح

الصلوٰۃ خیر من النوم

﴿باب : مؤذن کا صبح کی اذان میں ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کہنے کے بارے﴾

سوال : کیا فجر کی اذان میں 'الصلوٰۃ خیر من النوم' کہنا سنت ہے؟

جواب: اس بارے میں ائمہ اربعہ متفق ہیں جبکہ عطاء بن رباح، امام طاؤس اور اسود بن یزید کا اختلاف ہے۔

ائمہ اربعہ : ان کے ساتھ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں ان کے نزدیک ''حی علی الفلاح'' کے بعد ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کہنا مستحب ہے۔

دلیل : وہ کہتے ہیں ٹھیک ہے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کا ذکر نہیں لیکن اس کا حکم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں دیا تھا جیسے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے
الصلوٰۃ خیر من نوم
ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صبح کی پہلی اذان میں ''قد قامت الصلوٰۃ'' کے کلمات سکھائے۔''

عطاء بن رباح ، امام طاؤس اور اسود بن یزید کے نزدیک: ان کے نزدیک صبح کی اذان میں ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کہنا مکروہ ہے

دلیل: وہ کہتے ہیں، حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث میں جو اذان سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سکھائی گئی اس میں یہ الفاظ نہیں، حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں۔

باب التاذین للفجر ای وقت ھو بعد طلوع الفجر او قبل ذالک؟

﴿فجر کی اذان کس وقت دی جائے طلوعِ فجر کے بعد یا اس سے پہلے؟﴾

نوٹ : فجر کے علاوہ تمام نمازوں کے لئے اپنے اپنے وقت میں اذان دینا ضروری ہے، اگر وقت سے پہلے اذان دی گئی تو اس کا لوٹانا ضروری ہے فجر کی اذان کے بارے میں اختلاف ہے۔

سوال : کیا فجر کی اذان اگر وقت سے پہلے دی جائے تو ہو جائے گی؟

جواب : فجر کی اذان، وقت سے پہلے دی جائے یا وقت داخل ہونے کے بعد، اس سلسلے میں دو مذہب ہیں۔

امام شافعی کا مؤقف: ان کے ساتھ امام مالک، امام احمد، امام اسحاق اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے ان کے نزدیک فجر کی اذان وقت داخل ہونے سے پہلے دی جائے تو ہو جائے گی۔

دلیل : یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا حضرت بلال رضی اللہ عنہ رات کو اذان دیتے ہیں پس کھاؤ پیئو یہاں تک کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان دیں حضرت ابن شہاب فرماتے ہیں وہ چونکہ نابینا تھے اس لیے جب تک ان سے نہ کہا جاتا کہ صبح ہو گئی ہے وہ اذان نہ دیتے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ ان دونوں کی اذان میں اتنا وقفہ ہوتا کہ ایک اُوپر چڑھتا تو دوسرا اترتا۔

امام ابو حنیفہ کا مؤقف: ان کے ساتھ امام سفیان ثوری رحمہم اللہ بھی ہیں، ان کے نزدیک دوسری اذانوں کی طرح فجر کی اذان بھی وقت داخل ہونے کے بعد دی جائے۔

دلیل : یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان جو وقت سے پہلے ہوتی تھی وہ نماز کے لیے

نہیں بلکہ کسی اور مقصد کے لیے ہوتی تھی جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سحری کھانے سے نہ روکے وہ اس لیے اذان دیتے ہیں، (نداء یا اذان کا لفظ فرمایا۔) کہ غائب لوٹ آئے اور سویا ہوا جاگ جائے، یہی وجہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب فجر کی اذان وقت سے پہلے دی تو سرکار دو عالم ﷺ نے انہیں لوٹانے کا حکم دیا جیسے حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت میں ہے حضرت حفصہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا بھی یہی بتاتی ہیں کہ فجر کی اذان، طلوعِ فجر کے بعد ہی ہوتی تھی۔

یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بینائی میں کچھ کمزوری کی وجہ سے وقت کی صحیح پہچان نہ کر سکتے ہوں اور وقت سے پہلے اذان دیتے ہوں، جب کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ کرام کے بتانے پر اذان دیتے تھے یہی وجہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا اے بلال آپ اس وقت اذان دیتے ہیں جب فجر کی روشنی اوپر کو جاتی ہے یہ صبح نہیں صبح اس طرح دائیں بائیں پھیلتی ہے۔

دلیلِ نظر طحاوی : تمام نمازوں کے لئے بالاتفاق ان کے اوقات داخل ہونے کے بعد اذان دی جاتی ہے تو قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دوسری نمازوں میں چونکہ وقت داخل ہونے کے بعد اذان ہوتی ہے، لہذا فجر کی اذان بھی دخولِ وقت کے بعد ہو۔

استقامت کامیابی کی کُنجی ہے

کامیاب لوگ کوشش ترک نہیں کرتے۔

باب الرجلین یؤذن احدھما ویقیم الآخر

﴿باب: اذان ایک کہے اور دوسرا اقامت کہے﴾

سوال : کیا اقامت وہی شخص کہے جس نے اذان کہی یا کوئی دوسرا شخص بھی کہہ سکتا ہے؟

جواب : اس سلسلے میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب : امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا ہے ان کے نزدیک جو اذان دے وہی اقامت کہے دوسرے کا اقامت کہنا درست نہیں۔

دلیل : یہ ہے کہ حضرت زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ اقامت کہنے کے لیے آئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا تمہارے بھائی صداء نے اذان دی ہے وہی اقامت کہیں۔

دوسرا مذہب : امام اعظم اور امام مالک کا ہے ان کے نزدیک کوئی دوسرا شخص بھی اقامت کہہ سکتا ہے

دلیل : یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن زید سے فرمایا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز بلند ہے لہذا انہیں کلماتِ اذان سکھاؤ تا کہ وہ اذان کہیں پھر حضرت عبداللہ سے فرمایا تم اقامت کہو۔

سوال: تطبیق کیسے ہو گی ؟

جواب : **نظر طحاوی** میں اس کا جواب دیا جا رہا ہے، پس جب دونوں روایتوں میں تضاد ہوا تو قیاس کے ذریعے ایک کو ترجیح ہو گی اور قیاس دوسری روایت کو ترجیح دیتا ہے، وہ یوں کہ ایک متفق علیہ قاعدہ ہے کہ دو آدمیوں کا ایک ہی اذان کہنا جائز نہیں یعنی ایسے نہیں ہو سکتا کہ اذان کا بعض حصہ کوئی کہے اور کچھ حصہ دوسرا کہے تو اب یہاں دو احتمال ہیں یا تو اذان اور اقامت کو ایک ہی تصور کیا جائے تو دونوں کو ایک ہی شخص انجام دے گا، اگر الگ الگ تصور کیے جائیں تو ایک شخص

اذان اور دوسرا اقامت کہہ سکتا ہے، اب ہم نماز کو دیکھتے ہیں نماز کی طرف بلانے والے اسباب مثلاً اذان اور اقامت نماز سے پہلے ہیں اور یہ تمام نمازوں میں ہیں جمعۃ المبارک میں نماز سے پہلے خطبہ پڑھنا لازم ہے گویا وہ بھی نماز کا ایک حصہ ہے اور وہی شخص خطبہ پڑھتا ہے جو نماز پڑھتا ہے دونوں کے لیے الگ الگ ہونا ضروری نہیں لیکن اقامت نماز کا ایک سبب ہونے کے باوجود ضروری نہیں کہ جو شخص نماز پڑھتا ہے وہی اقامت بھی کہے تو جب اقامت اذان کی نسبت نماز کے زیادہ قریب ہے اور نماز و اقامت کے لیے الگ الگ آدمی ہو سکتے ہیں تو اذان اس سے دور ہے، اس کے لیے بھی الگ آدمی ہو سکتا ہے۔

باب ما یستحب للرجل ان یقولہ اذا سمع الاذان

﴿باب: اذان سنتے وقت کیا کہنا مستحب ہے؟﴾

نوٹ : اس باب میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔

﴿1﴾...... یہ کہ اذان کے جواب میں کیا کہا جائے؟

﴿2﴾...... یہ کہ اذان کے جواب میں وہی کلمات واجب یا مستحب؟

سوال : اذان سننے والا جواب میں کیا کہے؟

جواب : اس بارے میں دو مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب : ائمہ ثلاثہ یعنی امام شافعی، امام مالک، امام احمد کا ایک قول اور اہل ظواہر کا ہے ان کے نزدیک جو الفاظ موذن کہتا ہے وہی الفاظ جواب دینے والا بھی کہے۔

دلیل : یہ حضرات رسول اکرم ﷺ کے اس ارشادِ گرامی سے استدلال کرتے ہیں کہ جب موذن کو (اذان کہتے ہوئے) سنو تو اس کی مثل کہو ایک حدیث میں ہے کہ جب موذن سے اذان سنو تو وہی کلمات کہو پھر مجھ پر درود شریف بھیجو، کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود شریف بھیجے اللہ

تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے پھر اللہ تبارک وتعالیٰ سے میرے لیے وسیلے کا سوال کروں اور وہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے ایک بندے کے لیے مناسب ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں گا، پس جو شخص میرے لیے وسیلے کا سوال کرے گا اس کے لیے میری شفاعت جائز ہو جائے گی۔

دوسرا مذہب: احناف اور ائمہ ثلاثہ کا مشہور قول ہے ان کے نزدیک یہ ہے کہ ''حی علی الصلوۃ'' اور حی علی الفلاح'' کے جواب میں ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' کہے اور باقی اذان کے جواب میں وہی الفاظ کہے جو موذن کہتا ہے۔

دلیل: یہ حضرات کہتے ہیں موذن ''حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح'' کے ذریعے لوگوں کو نماز اور فلاح کی طرف بلاتا ہے جب کہ سننے والا یہ کلمات بطورِ ذکر کہتا ہے، اور یہ الفاظ کلماتِ ذکر نہیں لہذا وہ جان کی جگہ وہ کلمات پڑھے جن کا دوسری احادیث میں ذکر ہے اور وہ ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' کے کلمات ہیں، حضرت عمر بن خطاب ابو رافع اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم سے اسی طرح مروی ہے پہلی حدیث میں جو فرمایا گیا کہ جو کچھ موذن کہتا ہے وہی کچھ تم بھی کہو اس کا مطلب یہ ہے کہ اذان میں جو کلمات ذکر ہیں وہ کہو کیونکہ مقصود تو ذکر خداوندی ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں بھی کچھ الفاظ ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ اذان سننے والے کی طرف سے جواب اذانِ ذکر کے طور پر ہے۔

﴿2﴾...... یہ کہ اذان کے جواب میں وہی کلمات واجب یا مستحب؟

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ

(۱)۔ بعض حضرات کے نزدیک اذان کے جواب میں وہی کلمات کہنا واجب ہے۔

(۲)۔ جب کہ دوسرے حضرات اسے مستحب سمجھتے ہیں۔

دلیـــــل: یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے حضور علیہ السلام نے "اللہ اکبر" کے جواب میں "علی القطرۃ" کے الفاظ کہے اور کلماتِ شہادت کے جواب میں فرمایا "جہنم سے بچ گیا۔" تو اس سے معلوم ہوا کہ اذان کے جواب میں وہی الفاظ کہنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

باب مواقیت الصلاۃ

﴿باب: اوقات نماز﴾

سوال: فجر کی نماز کا وقت مع اختلافِ ائمہ بیان کریں؟

جـــواب: نمازِ فجر کے وقت کی ابتداء صبح صادق سے ہوتی ہے۔ اور اس کے آخری وقت کے بارے میں اختلاف ہے۔

پہلا مذہب: امام شافعی اور امام مالک کا ہے ان کے نزدیک فجر کی نماز کا آخری وقت اسفارِ شمس تک ہے یعنی طلوعِ شمس کی سے پہلے کی روشنی جب تک ظاہر نہ ہو جائے تو یہ فجر کا آخری وقت ہے۔

دلیل :عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (أُمَّنِي جِبْرَائِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَرَّتَيْنِ عِنْدَ بَابِ الْبَيْتِ فَصَلَّى بِي الظُّهْرَ حِينَ مَالَتِ الشَّمْسُ ، وَصَلَّى بِي الْعَصْرَ حِينَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ ، وَصَلَّى بِي الْمَغْرِبَ حِينَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ ، وَصَلَّى بِي الْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ ، وَصَلَّى بِي الْفَجْرَ حِينَ حُرِّمَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ عَلَى الصَّائِمِ ، وَصَلَّى بِي الظُّهْرَ مِنَ الْغَدِ حِينَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ ، وَصَلَّى بِي الْعَصْرَ ، حِين صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَيْهِ ، وَصَلَّى بِي الْمَغْرِبَ حِينَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ ، وَصَلَّى بِي الْعِشَاءَ حِينَ مَضَى ثُلُثُ اللَّيْلِ ، وَصَلَّى

بِی الْغَدَاۃَ عِنْدَمَا أَسْفَرَ . . . . . .

ترجمہ : اوقاتِ نماز کے سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے استدلال کیا جاتا ہے، سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے بیت اللہ شریف کے پاس دوبارہ نماز پڑھائی ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج ڈھل گیا عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی ایک مثل ہوگیا، مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج غروب ہوگیا، عشاء کی نماز شفق غائب ہونے پر پڑھائی اور صبح کی نماز اس وقت پڑھائی جب روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہوجاتا ہے۔

دوسرے دن ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی دوشن ہوا مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی جب روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے، عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب رات کا تہائی حصہ گزر گیا، اور صبح کی نماز سفیدی میں پڑھانے کے بعد کہا اے محمد مصطفیٰ ﷺ ان دو وقتوں کے درمیان (نمازوں کا) وقت ہے یہ آپ سے پہلے انبیاء کرام کا وقت ہے۔

دوسرا مذہب : احناف اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک نمازِ فجر کا آخری وقت طلوعِ شمس ہے۔

دلیل : سَمِعَ أَبَا سَعِيدِ الْخُدْرِيَّ يَقُولُ قَالَ :رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (أَمَّنِي جِبْرَائِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الصَّلَاةِ ، فَصَلَّى الظُّهْرَ حِينَ زَاغَتْ الشَّمْسُ ، وَصَلَّى الْعَصْرَ حِينَ قَامَتْ قَائِمَةٌ وَصَلَّى الْمَغْرِبَ حِينَ غَابَتْ الشَّمْسُ ، وَصَلَّى الْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ ، وَصَلَّى الصُّبْحَ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ .ثُمَّ أَمَّنِي فِي الْيَوْمِ الثَّانِي فَصَلَّى الظُّهْرَ وَفَيْءُ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلُهُ ، وَصَلَّى الْعَصْرَ وَالْفَيْءُ قَامَتَانِ ، وَصَلَّى الْمَغْرِبَ حِينَ غَابَتْ الشَّمْسُ ، وَصَلَّى الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ

الْأَوَّلِ ، وَصَـلَّى الصُّبحَ حِينَ كَادَتْ الشَّمْسُ أَنْ تَطْلُعَ ، ثُمَّ قَالَ :الصَّلَاةُ فِيمَا بَيْنَ هَذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ).

حضرت ابوسعید خدری، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، جابر بن عبداللہ، ابوموسیٰ اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہم سے بھی اس مفہوم کی روایت مروی ہے۔

نوٹ: فجر کے وقت میں کوئی اختلاف نہیں اس حدیث کی روشنی میں بالاتفاق فجر کا پہلا وقت طلوعِ فجر اور آخری وقت طلوع شمس ہے۔

وقت ظہر

سوال : ظہر کا درست وقت کیا ہے امام طحاوی اس بارے کیا فرماتے ہیں؟

جواب : ظہر کے پہلے وقت میں کوئی اختلاف نہیں اور وہ زوال شمس ہے، البتہ اس کے آخری وقت میں اختلاف ہے حضرت ابن عباس ابوسعید خدری، جابر بن عبداللہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کی روایت میں ہے کہ دوسرے دن جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا تو آپ نے نماز ظہر ادا فرمائی اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو چکا تھا اس بنا پر ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم نہیں ہوتا، **امام ابوحنیفہ** رحمۃ اللہ کا یہی مسلک ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب سایہ ایک مثل ہونے لگا تو آپ نے نماز ظہر ادا فرمائی اس صورت میں ایک مثل پر وقت ظہر ختم ہو جاتا ہے امام ابویوسف، امام محمد اور امام طحاوی رحمھم اللہ کا یہی مسلک ہے۔

نوٹ : ظہر کے آخری اور عصر کے ابتدائی وقت کے بارے میں اختلاف ہے۔

احناف کے نزدیک ظہر کا آخری یہ ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ اصلی دو مثل ہو جائے اور یہی عصر کا ابتدائے وقت ہے۔

امام طحاوی : کا یہاں اختلاف کو ذکر نہ کرنا اور اس معمول بہ قول کو چھوڑ دینا آخر کیوں؟

وقت عصر

سوال : عصر کے اول وقت کیا ہے؟

جواب : وقتِ عصر کے آغاز میں اسی طرح اختلاف ہے جسے ظہر کے آخری وقت میں ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک جب ہر چیز کا سایہ اس کی ایک مثل ہو جائے تو عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

دلیل : ان کا استدلال یہی حدیث مذکورہ بالا ہے کہ پہلے دن جب سایہ ایک مثل ہوا تو آپ نے نمازِ عصر ادا فرمائی۔

دوسرے حضرات جن میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں کے نزدیک دو مثل پر عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔

دلیل : سرکار دو عالم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ ظہر کا پہلا وقت زوالِ آفتاب ہے اور آخری وقت وہ ہے جب عصر شروع ہو جائے اور چونکہ ان حضرات کے نزدیک ظہر کا آخری وقت ایک مثل کے بعد ہوتا ہے لہذا وقتِ عصر کا آغاز بھی اسی وقت ہوگا۔ ترمذی شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ نماز کا وقتِ آغاز بھی ہے، اور آخری وقت بھی، موطا امام محمد میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی وضاحت میں فرمایا ظہر کی نماز اس وقت پڑھو جب ہر چیز کا سایہ اس کی ایک مثل ہو جائے اور عصر کی نماز اس وقت ادا کرو جب ہر چیز کا سایہ اس کی دو مثل ہو جائے اور اس قسم کی وضاحت اپنی طرف سے نہیں کی جاتی اور یہ وضاحت امامت جبریل کی روایت کے بعد کی ہے۔

سوال : عصر کا آخری وقت کیا مع اختلاف بیان کریں؟

جواب : عصر کے آخری وقتے کے بارے تین (3) اقوال ہیں۔

پہلا قول : **امام شافعی** اور امام مالک کے ایک قول کے مطابق عصر کا آخری وقت وہ ہے جب تک ہر شئی کا سایہ دو مثل ہو جائے اس کے بعد قضاء کا وقت ہے۔ (امام طحاوی نے اس

قول کو ذکر نہیں کیا)

دلیل : عن ابن عطاس قال : وصلی بی العصر من الغد حین صار ظل کل شئی مثلیه.

دوسرا قول : **امام احمد**، امام اسحاق اور امام طحوی کا ہے کہ ان کے نزدیک عصر کا آخری وقت اصفرارِ شمس ہے۔ اس کے بعد غروب تک قضاء ہے۔

دلیل : عن ابی هریرة قال : قال رسول الله ﷺ : ان للصلوة اولا و آخراً، و ان اول وقت العصر حین یدخل وقتها، وان آخر وقتها حین تصفر الشمس.

تیسرا قول : **احناف** کا ہے کہ عصر کا آخری وقت غروب شمس تک ہے اور "غیر ان قوماً ذهبوا الی ان آخر وقتها الی غروب الشمس" کے مصداق احناف ہی ہیں۔

دلیل : عن ابی هریرة رضی الله عنه . عن النبی ﷺ . قال : من ادرک رکعة من الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح، امن ادرک رکعة من العصر ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر.

استدلال : اس حدیث میں تسریح ہے کہ جس نے عصر کی ایک رکعت غروط شمس سے پہلے پالی اس نے عصر کی پوری نماز پالی جس سے یہ ثابت ہوا کہ عصر کا آخری وقت غروب شمس تک ہی ہے۔

سوال : عصر کے وقت پر امام طحاوی کیا نظر پیش کرتے ہیں؟

جواب : امام طحاوی کے نزدیک چونکہ عصر کا وقت اصفرار شمس تک ہے اس لئے انہوں نے اس مذہب کی تائید کے لئے نظر پیش کی ہے۔

نظر طحاوی : ظہر کے وقت میں نفل اور قضاء نمازیں جائز ہیں، عصر اور فجر کے وقت میں بھی جائز ہیں (اس میں نفل نہیں پڑھ سکتے) قاعدہ یہ ہے کہ جو وقت بھی کسی نماز کا وقت ہوگا اس میں قضاء نمازیں جائز ہوں گی اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ غروب شمس کے وقت قضاء نمازیں بالاتفاق

درست نہیں اس لئے یہ نماز کے اوقات سے خارج ہیں، یعنی طلوع شمس اور نصف النہار کی طرح اس میں کوئی نماز ادا کرنا درست نہیں۔

وقتِ مغرب

سوال : نماز مغرب کا اول وآخر وقت کیا ہے اکتلاف مع الدلائل لکھیں؟

جواب : ﴿1﴾...... احادیث کی روشنی میں مغرب کا وقت غروب آفتاب سے شروع ہوجاتا ہے البتہ بعض حضرات کے نزدیک جب ستارے ظاہر ہوں تو مغرب کا وقت داخل ہوتا ہے وہ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا اس کے بعد نماز نہیں حتی کہ شاہد طلوع ہو، تو یہ حضرات شاہد سے ستارے مراد لیتے ہیں لیکن یہ حضرت لیث کی اپنی رائے ہے ممکن ہے اس سے رات کا آنا مراد ہو اور متواتر روایات سے اسی بات کو تائید حاصل ہوتی ہے کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سورج کے پس پردہ چھپے جانے کے بعد نمازِ مغرب ادا کرتے تھے۔

﴿2﴾...... مغرب کا وقت کب ختم ہوتا ہے اور وجہ اختلاف؟

نماز مغرب کا آخری وقت یہ کہ جب تک شفق غائب نہ ہوجائے۔

دلیل : حدیث شریف میں ہے کہ عشاء کی نماز اس وقت ادا فرمائی جب **شفق غائب** ہوگیا۔

نوٹ : اس دلیل سے تو واضح ہے کہ شفق تک مغرب کا آخری وقت ہے لیکن جب شفق کی تفصیل کی طرف گئے کہ شفق کیا ہے؟ تو اس میں اختلاف ہوا تو یہی امر **وجہ اختلاف** بنا اور چونکہ شفق کی تفسیر میں اختلاف ہے اس لیے وقتِ مغرب کے آخری وقت میں بھی اختلاف ہے۔

صاحبین کا مؤقف : امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک شفق سے سرخی مراد ہے لہٰذا جب سرخی ختم ہوجائے تو مغرب کا وقت ختم ہوگیا۔

امام اعظم کا مؤقف : جب کہ امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے نزدیک شفق سے سفیدی مراد

ہے جو سرخی کے بعد آتی ہے۔

نظر طحاوی : امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول قیاس کے موافق ہے کیونکہ فجر کے وقت پہلے سرخی اور پھر سفیدی ہوتی ہے اور یہ ایک ہی نماز کا وقت ہے، اور وہ فجر کی نماز ہے جب دونوں ختم ہو جائیں تو فجر کا وقت ختم ہو جاتا ہے، تو قیاس کا تقاضا ہے کہ مغرب کے وقت بھی یہ دونوں سرخی اور سفیدی) جمع ہوں۔

امام شافعی اور امام مالک کے ایک قول کے مطابق: غروب آفتاب کے بعد اطمینان کے ساتھ وضوء کر کے خشوع اور خضوع کے ساتھ تین رکعت پڑھنے کے بقدر وقت گزرنے سے مغرب کا وقت ختم ہو جائے گا۔

وقت عشاء

سوال : عشاء کا اول وقت کب سے ہے؟

جواب : چونکہ عشاء کا وقت، وقتِ مغرب ختم ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے اس لیے اس کے پہلے وقت میں وہی اختلاف ہوگا جو مغرب کے آخری وقت میں ہے یعنی تمام آئمہ کے نزدیک شفق کے غائب ہونے پر عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے، لیکن چونکہ شفق کی تفسیر میں اختلاف ہے لہذا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک سفیدی ختم ہونے پر عشاء کا وقت شروع ہوگا جو سفیدی، سرخی کے بعد آتی ہے اور صاحبین کے نزدیک سرخی ختم ہونے پر وقت عشاء کا آغاز ہوگا۔

البتہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے شفق غائب ہونے سے پہلے نماز عشاء پڑھی تو ہو سکتا ان کے نزدیک شفق سے سفیدی مراد ہوا اور دوسرے حضرات کے نزدیک سرخی تاکہ حدیثوں میں تضاد ثابت نہ ہو۔

سوال : عشاء کا آخری وقت کب تک ہے؟

جواب : عشاء کے آخری وقت کے بارے میں مختلف احادیث آتی ہیں کسی روایت میں ہے کہ آپ نے رات کی (پہلی) تہائی تک نمازِ عشاء کو موخر کیا۔ کہیں آپ خود فرماتے ہیں کہ عشاء کا وقت نصف رات تک ہے۔ تو دونوں قسم کی روایات پر یوں عمل کیا جائے کہ پہلی تہائی تک افضل وقت ہے اور نصف رات تک موخر کرنے سے فضیلت کم ہو جاتی ہے البتہ وقت باقی رہتا ہے اور بعض روایات میں نصف رات گزرنے پر نماز کی ادائیگی کا ذکر بھی پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ طلوع فجر تک عشاء کا وقت ہے اور یوں یہ تین اوقات میں پہلی تہائی کے اختتام تک۔ اور یہ افضل ہے نصف رات تک اور یہ فضیلت میں پہلے وقت سے کم ہے، اور طلوع فجر تک، اس کی فضیلت پہلے دو وقتوں سے کم ہے۔

باب الجمع بین الصلاتین کیف ھو؟

﴿باب: دو نمازیں جمع کرنا کیسا ہے؟﴾

سوال : کیا دو وقت کی نمازیں ایک وقت میں جمع کرنا جائز ہے؟

جواب : سب سے پہلے یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ دو نمازوں کو ایک وقت میں پڑھنا "جمع بین الصلاتین" کہلاتا ہے۔ اور "جمع بین الصلاتین" مزدلفہ اور عرفات میں بالاتفاق جائز ہے۔

ان دو جگہوں کے علاوہ میں اختلاف ہے اور اس بارے میں دو مذاہب ہیں:

پہلا مذھب : اس کے قائلین ائمہ ثلاثہ ہیں اور ان کے نزدیک ظہر وعصر کا وقت ایک ہے اسی طرح مغرب اور عشاء کا وقت بھی ایک ہے۔

دلیل : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں

دو نمازیں اکٹھی ادا فرماتے تھے۔ حضرت معاذ بن جبل، عبد اللہ بن عباس، جابر بن عبد اللہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے بھی اسی مفہوم کی روایات مروی ہیں جن میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کرنے کا ذکر ہے۔

دوسرا مذہب : اس کے قائلین احناف ہیں (حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ) ان کے نزدیک ہر نماز کا الگ وقت مقرر ہے جس میں اس کی ادائیگی ضروری ہے اور کسی نماز کو دوسری کے وقت میں پڑھنا سوائے ان دو مقامات کے درست نہیں۔

دلیل مع تطبیق: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہر و عصر کی نمازوں کو جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ نمازِ ظہر کو اس کے آخری وقت میں اور عصر کی نماز کو اس کے پہلے وقت میں ادا فرماتے، مغرب اور عشاء کی نمازوں میں بھی یہی طریقہ اختیار فرماتے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ظہر (کی نماز) کو موخر کرتے اور عصر کو مقدم فرماتے، مغرب میں تاخیر کرتے اور عشاء کی نماز (مستحب وقت سے) مقدم کرتے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ آپ کو جب سفر میں جلدی ہوتی تو شفق غائب ہونے پر مغرب اور عشاء کو جمع کرتے دوسری روایت میں ہے کہ جب شفق غائب ہونے لگی تو آپ نے اتر کر دونوں نمازوں کو جمع فرمایا۔ اور فرمایا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر میں جلدی کی صورت میں اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ گویا جب شفق غائب ہونے کے قریب ہوتی تو آپ مغرب کی نماز پڑھتے اس سے فارغ ہوتے تو شفق غائب ہو جاتی اور عشاء کا وقت داخل ہو جاتا چنانچہ آپ عشاء کی نماز پڑھتے۔

نظر طحاوی : قیاس بھی اسی موقف کی تائید کرتا ہے کیونکہ صبح کی نماز کے بارے میں اتفاق ہے کہ اسے وقت سے مقدم و موخر کرنا جائز نہیں تو معلوم ہوا کہ دوسری نمازوں کا بھی یہی حکم ہے

عرفات اور مزدلفہ میں حج کے موقع پر ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو ملا کر پڑھا جاتا ہے لیکن یہ اس دن اور اس مقام کیساتھ خاص ہے یہی وجہ ہے کہ اگر امام عرفات میں ظہر وعصر کو اپنے اپنے وقت پر پڑھے اور اسی طرح مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو اپنے اپنے وقت پر پڑھے تو گناہ گار ہوگا حالانکہ باقی دنوں یا باقی مقامات پر ایسا نہیں لہٰذا عرفات اور مزدلفہ میں پڑھی جانے والی نمازوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

باب الصلوۃ الوسطی ای الصلوات

﴿باب: درمیانی نماز کونسی ہے؟﴾

سوال : صلاۃ وسطی کونسی نماز ہے؟

جواب : صلوۃ وسطی کونسی نماز ہے اس بارے میں تین (3) اقوال ہیں۔

پہلا قول : اس کے قائلین عروہ بن زبیر، زید بن ثابت اور امام اعظم کا ایک قول بھی یہی ہے۔

قرآن پاک میں جس صلوۃ وسطیٰ (درمیانی نماز) کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا "حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطی" تمام نمازوں بالخصوص درمیانی نماز کی حفاظت کرو، اس سے کون سی نماز مراد ہے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے نمازِ ظہر مراد ہے قریش کے ایک گروہ کے پاس سے حضرت زید ین ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے نمازِ ظہر مراد ہے قریش کے ایک گروہ کے پاس حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ گزرے تو انہوں نے آپ سے درمیانی نماز کے بارے میں معلوم کیا آپ نے فرمایا نماز ظہر مراد ہے کیونکہ حضور علیہ السلام ظہر کی نماز سورج ڈھلتے ہی پڑھاتے تو آپ کے پیچھے ایک یا دو صفیں ہوتیں اس وقت لوگ قیلولہ کررہے ہوتے یا تجارت میں مصرف ہوتے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت (مذکورہ بالا) نازل فرمائی اور سرکا دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ باز آجائیں ورنہ میں ان کے گھر جلادوں گا۔ حضرت ابن عمر

رضی اللہ عنہما دے بھی بات مروی ہے اس بنا پر ایک جماعت کے نزدیک اس سے نمازِ ظہر مراد ہے۔

لیکن حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو کچھ بیان ہوا وہ ان کا اپنا قول ہے سرکار دو عالم ﷺ کا ارشادِ گرامی نہیں لہذا اس میں نمازِ ظہر کے صلوۃ وسطی ہونے پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ ممکن ہے یہ آیتِ کریمہ تمام نمازوں کی حفاظت کے سلسلے میں نازل ہوئی ہو، اور اس میں ظہر کی نماز بھی شامل ہے اور وہ جس نماز کی حاضری میں کوتاہی کرتے تھے اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ باز آجائیں ورنہ میں ان کے گھروں کو جلا دوں گا۔ اور آپ کا یہ ارشاد نمازِ جمعہ سے پیچھے رہنے والوں اور بقول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نماز عشاء میں شامل نہ ہونے والوں کے بارے میں ہے۔

نوٹ : حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو کچھ مروی ہے وہ بھی ان کا اپنا قول ہے جب کہ خود ان سے ہی مروی ہے کہ صلوۃ وسطی سے نماز عصر مراد ہے، جب ان سے مروی روایات متضاد ہوئیں تو معلوم ہوا کہ ان کے پاس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ سے مروی کچھ نہیں۔

دوسرا قول : اس کے قائلین امام شافعی اور امام مالک ہیں ان کے نزدیک صلاۃِ وسطی فجر کی نماز ہے۔

دلیل : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے فجر کی نماز مراد ہے وہ فرماتے ہیں آیتِ کریمہ کے ساتھ " وقوموا اللہ قانتین " کے الفاظ بھی ہے اور قنوت نماز فجر میں ہوتی تھی۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ نماز میں گفتگو کی جاتی تھی لہذا خاموشی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا " وقوموا لِلّٰہ قانتین "۔

تیسرا قول : اس کے قائلین احناف اور امام اسحاق ہیں کہ صلاۃ وسی نماز عصر ہی ہے۔

دلیل: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہی مروی ہے کہ اس سے نماز عصر مراد ہے۔

نوٹ : جب روایات میں تضاد ثابت ہوا تو دیگر صحابہ کرام کی روایات کو دیکھا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم عہدِ رسالت میں "حافظوا علی الصلوۃ والصلوۃ الوسطی وصلوۃ العصر وقوموا لِلّٰہ قانتین" پڑھتے تھے۔

حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے نسخہ قرآن میں، والصلوۃ والوسطی وھی صلوۃ العصر" کے الفاظ ہیں، تو تواتر کے ساتھ مروی روایات کے مطابق اس سے نمازِ عصر مراد ہے اور اسے درمیانی نماز اس لیے کہا گیا کہ یہ دن کی دو نمازوں فجر اور ظہر اور رات کی دو نمازوں مغرب و عشاء کے درمیان ہے۔

باب الوقت الذی یصلی فیہ الفجر ای وقت ھو؟

﴿باب: نمازِ فجر کس وقت ادا کی جائے؟﴾

سوال : فجر کی نماز کا افضل وقت کونسا ہے؟

جواب : اس بارے ائمہ کا اختلاف ہے کہ فجر کی نماز کی ادائیگی کا افضل وقت کونسا ہے۔ اس بارے دو قول ہیں۔

پہلا قول : اس کے قائلین امام شافعی، امام مالک، امام احمد اور امام اسحاق ہیں ان کے نزدیک فجر کی نماز کو "غلس "(Dark ness)یعنی اندھیرے میں پڑھنا افضل ہے۔

دلیل : حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اندھیرے میں نمازِ فجر ادا کی پھر سفیدی میں پڑھی اس کے بعد وصال تک کبھی روشنی میں نہیں پڑھی۔ نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، مسلمان عورتیں سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز ادا کرتیں اور انہوں نے چادریں لپٹی ہوتیں پھر واپس گھروں کو لوٹتیں تو انہیں کوئی پہچان نہ سکتا۔

دوسرا قول : اس کے قائلین احناف ہیں ان کے نزدیک فجر کی نماز اندھیرے کی بجائے

"اسفار" روشنی میں پڑھنا افضل ہے۔

دلیل : حضرت عبدالرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ کی طرف گیا تو آپ نے قربانی کے دن فجر کی نماز فجر ہوتے ہی ادا فرمائی پھر فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اس موقعہ پر یہاں مغرب اور فجر کی نمازیں اپنے وقت سے پھیری گئی ہیں، گویا مزدلفہ میں جس وقت نمازِ فجر ادا کی جاتی ہے دوسرے مقامات پر اس کا وہ وقت نہیں لہذا عام طور پر اس کو روشن کر کے پڑھا جاتا تھا۔

پھر بعض روایات میں واضح طور پر نمازِ فجر روشنی میں ادا کرنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے، حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا صبح روشن کر کے پڑھو جب بھی روشن کرو گے اس کا ثواب بہت زیادہ ہوگا۔ اس قسم کی روایات میں افضلیت کا بیان ہے جب کہ پہلی دو قسم کی روایات میں بیان جواز ہے تاکہ امت کے لیے آسانی رہے، جیسے ممکن ہو پڑھ لیں، نیز دونوں قسم کی احادیث پر یوں بھی عمل کیا جاسکتا ہے کہ نماز اندھیرے میں شروع کی جائے اور طویل قراءت کے ساتھ ادا کرتے ہوئے روشنی میں ختم کی جائے حضرت امام ابوحنیفہ،، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

در حقیقت شروع میں نماز دو، دو رکعتیں فرض ہوئی جب سرکار دو عالم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مغرب اور فجر کے علاوہ نمازوں میں ان کی مثل یعنی دو رکعتیں ملا دیں، مغرب کی نماز کو طلاق رکھا اور فجر کی نماز میں قراءت کی طوالت کو ان دو رکعتوں کے قائم مقام رکھا گیا، لیکن حالت سفر میں مختصر قراءت کی جاتی ہے۔

نوٹ : حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں جس بات کا ذکر ہے کہ عورتیں پہچانی نہ جائیں نہ جاتیں یہ اس وقت کی بات ہے جب نماز فجر کی قراءت مختصر تھی اس کے بعد قراءت بڑھا کر اسے اندھیرے میں شروع کیا جاتا اور روشنی میں یہ نماز مکمل ہوتی۔

باب الوقت الذی یستحب ان یصلی صلاۃ الظہر فیہ

﴿باب: نمازِ ظہر کا مستحب وقت﴾

سوال : ظہر کی نماز کا افضل وقت کیا ہے؟

جواب : اس بارے میں دو طرح کے مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب : یہ مذہب امام شافعی کا ہے ان کے نزدیک سال بھر میں نمازِ ظہر جلدی پڑھنا مستحب ہے۔

دلیل: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جابر بن عبداللہ خباب، عائشہ صدیقہ، ابو ہریرہ انس بن مالک اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی روایات سے استدلال کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ سورج ڈھلتے ہی ظہر کی نماز ادا فرماتے۔

دوسرا مذہب : یہ مذہب احناف، مالکیہ اور حنابلہ کا ہے ان کے نزدیک سردیوں میں نمازِ ظہر جلدی پڑھی جائے اور گرمیوں میں تاخیر کی جائے تاکہ وقت ٹھنڈا ہو جائے۔

دلیل : سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ سے ہے پس جب گرمی سخت ہو تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو، حضرت ابوذر، ابو سعید خدری، ابو ہریرہ اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم سے اسی طرح مروی ہے اس حدیث کی روشنی میں گرمیوں میں ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھنے کا حکم ہے۔

تطبیق: جن احادیث میں یہ نماز جلدی پڑھنے کا ذکر ہے وہ منسوخ ہیں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ظہر کی نماز زوال آفتاب کے فوراً بعد پڑھائی پھر فرمایا گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ سے ہے بس نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو اور حضرت انس بن مالک اور ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

سرکار دو عالم ﷺ سردیوں میں جلدی پڑھتے اور گرمیوں میں تاخیر فرماتے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ مکرمہ میں حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم گرم ترین زمین میں ہو لہذا وقت کے ٹھنڈا ہونے کا انتظار کرو اور پھر اذان دو۔

تو سنت طریقہ یہی ہے سفر ہو یا حضر سایہ دار جگہ ہو یا نہ ہو، گرمیوں میں نمازِ ظہر ٹھنڈے وقت تک مؤخر کی جائے اور سردیوں میں جلدی پڑھی جائے نمازِ ظہر میں مطلقاً جلدی کرنے سے متعلق احادیث منسوخ ہیں۔

......☆......☆......☆......

صلوة العصر هل تعجل أو تؤخر

﴿باب: نمازِ عصر کا مستحب وقت﴾

سوال : عصر کا مستحب وقت کون سا ہے؟

جواب : عصر کے مستحب وقت کے بارے میں دو قول ہیں۔

پہلا قول : اس کے قائلین امام شافعی، امام مالک، امام احمد اور امام اسحاق ہیں ان کے نزدیک عصر کی نماز اول وقت میں پڑھنا افضل ہے۔

دلیل : عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : (كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ ، ثُمَّ يَخْرُجُ الْإِنْسَانُ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ ، فَيَجِدُهُمْ يُصَلُّونَ الْعَصْرَ .)

دوسرا قول : اس کے قائلین احناف ہیں ان کے نزدیک عصر کی نماز اتنی تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے کہ سورج اصفرار کی حالت تک نہ پہنچ جائے اور اصفرارِ شمس کے بعد کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

دلیل : أَبُو أَرْوَى ، قَالَ كُنْتُ أُصَلِّي الْعَصْرَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، ثُمَّ

أَمْشِي إِلَى ذِي الْحُلَيْفَةِ، فَآتِيهِمْ قَبْلَ أَنْ تَغِيبَ الشَّمْسُ).

دلیل : عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : (كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي صَلَاةَ الْعَصْرِ وَالشَّمْسُ بَيْضَاءُ مُحَلِّقَةٌ).

نوٹ : حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ہم سے بیان کیا کہ رسول اکرم ﷺ ہمیں نماز عصر پڑھاتے تو سورج سفید ہوتا پھر میں مدینہ طیبہ کے ایک کنارے میں اپنی قوم کی طرف لوٹتا تو وہ بیٹھے ہوتے میں ان سے کہتا اٹھو اور نماز پڑھو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نماز پڑھ چکے ہیں، حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

حضرت علاء بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں ظہر کے بعد حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ کے پاس گیا تو انہوں نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے یا خود انہوں نے جلدی نماز پڑھنے کا ذکر کیا تو فرمایا میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ منافقین کی نماز ہے کہ ایک شخص بیٹھ جائے جب سورج کا رنگ زرد پڑ جائے اور شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہو جائے، تو کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مارے اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت تھوڑا کرے۔

نوٹ : ان دونوں قسم کی روایات پر یوں عمل کیا جائے گا کہ پہلی روایت میں جو وقت بیان ہوا اس وقت نماز پڑھنا مستحب ہے اور دوسری روایت میں جس تاخیر کا ذکر کیا گیا وہ مکروہ وقت تک موخر کرنا ہے جس سے منع کیا گیا۔

جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کا تعلق ہے کہ رسول اکرم ﷺ نماز عصر ادا کرتے تو ابھی تک دھوپ میرے حجرے میں ہوتی، تو اس حدیث سے نمازِ عصر کا جلدی پڑھنا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے ام المومنین کا حجرہ مبارکہ چھوٹا ہو اور غروب آفتاب تک دھوپ رہتی ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی نمازِ عصر تاخیر سے پڑھنا منقول ہے، حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم ایک جنازے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے آپ نے نماز عصر نہ پڑھی تو ہم نے بار بار عرض کیا چنانچہ آپ نے اس وقت نماز ادا فرمائی جب ہم نے سورج کو مدینہ طیبہ کے بلند ترین پہاڑ پر دیکھا۔

اگر رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے جلدی پڑھنے پر استدلال کیا جائے کہ وہ فرماتے ہیں ہم سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ نماز عصر پڑھنے کے بعد اونٹ ذبح کرتے پھر اسے دس حصوں میں تقسیم کرتے پھر پکا کر کھاتے تو ابھی سورج غروب نہ ہوتا اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ وہ لوگ یہ کام جلدی جلدی کرتے تھے لہذا یہ بات نماز عصر کی تاخیر کے خلاف نہیں، احناف کا یہی مذہب کہ نماز حصر میں تاخیر کی جائے لیکن اتنی زیادہ نہیں کہ سورج کا رنگ بدل جائے۔

سوال : عصر کی نماز میں تاخیر کیسے افضل ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے تاخیر والی نماز کو منافقین کی نماز قرار دے کر اس میں منع فرمایا جیسا کہ منقول ہے "تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِينَ قَالَهَا ثَلَاثًا يَجْلِسُ أَحَدُهُمْ حَتَّى إِذَا اصْفَرَّتِ الشَّمْسُ، وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ، فَنَقَرَ أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهِنَّ إِلَّا قَلِيلًا"۔

جواب : اس حدیث مبارکہ میں تاخیر سے منع کیا گیا اور اس سے مراد وہ تاخیر ہے جو اصفرار شمس تک ہو جس کے بعد صرف چار رکعات اس طرح پڑھی جا سکتی ہوں کہ جن میں اللہ کا ذکر بھی صحیح نہ کیا جا سکتا ہو اور یہ تاخیر ہمارے نزدیک مکروہ ہے۔

جبکہ افضل وہ تاخیر ہے جو اصفرار شمس سے پہلے پہلے تک ہو اور وہ اس حدیث میں ممنوع نہیں لھذا یہ اعتراض درست نہیں۔

باب رفع الیدین فی افتتاح الصلوۃ این یبلغ بهما

﴿باب: نماز کے شروع میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں﴾

سوال : نماز کے آغاز میں کہاں تک ہاتھ اُٹھائیں گے؟

جواب : نماز کے آغاز میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں تین مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب : اس کے قائلین بعض مالکیہ اور حنابلہ ہیں ان کے نزدیک یہ ہے کہ ہاتھ بلند کیے جائیں لیکن اس کے لیے کوئی مقدار مقرر نہیں۔

دلیل : ان کا استدلال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت سے ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو کھینچتے ہوئے بلند کرتے۔

دوسرا مذہب : اس کے قائلین امام شافعی، امام مالک، امام احمد اور امام اسحاق ہیں ان کے نزدیک پہلی تکبیر میں ہاتھوں کو کاندھوں تک بلند کیا جائے گا۔

دلیل : اس گروہ کا استدلال حضرت علی المرتضی، عبد اللہ بن عمرو اور ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہم کی روایت سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرض نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور کاندھوں تک ہاتھ اٹھاتے۔

اس کے نزدیک پہلے گروہ کی پیش کردہ حدیث میں نماز شروع کرنے سے پہلے دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے اس طرح دونوں قسم کی حدیثوں میں کوئی تضاد نہ ہوگا۔

تیسرا مذہب : اس کے قائلین امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ ان کے نزدیک کانوں تک ہاتھ اٹھائے جائیں۔

دلیل: وہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول

اکرم ﷺ نماز شروع کرنے کے لیے تکبیر کہتے تو ہاتھوں کو اُٹھاتے یہاں تک کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کی نرم جگہ (لَو) کے قریب ہو جاتے۔

نـوٹ : ان مختلف قسم کی احادیث پر عمل صرف تیسرے گروہ کے مسلک کے مطابق کیا جا سکتا ہے اور اس سلسلے میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت فیصلہ کن ہے، وہ فرماتے ہیں میں سرکار دوعالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو دیکھا تکبیر کہتے ہوئے کانوں تک ہاتھ اٹھاتے پھر آئندہ سال آیا تو ان (صحابہ کرام) پر چادریں اور لمبی ٹوپیاں تھیں تو انہوں نے ہاتھ اٹھائے حضرت شریک (راوی) فرماتے ہیں سینے تک اٹھائے، معلوم ہوا کہ جب نمازی پر کوئی چادر وغیرہ ہو تو ہاتھ کاندھوں تک اٹھائے جا سکتے ہیں لیکن چادر وغیرہ ہو تو کانوں تک اٹھائے اس طرح تمام احادیث پر عمل ہوگا۔

باب ما يقال بعد تكبير التحريمة

﴿باب: تکبیر تحریمہ کے بعد کیا پڑھا جائے﴾

سوال : تکبیر تحریمہ کے بعد کیا پڑھا جائے؟

جواب : تکبیر تحریمہ کے بارے امام طحاوی نے دو قول ذکر فرمائے۔

پہلا قول : امام ابوحنیفہ، امام احمد اور امام اسحاق کا ہے، کہ تکبیر تحریمہ کے بعد "سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ ...... وَلَا اِلٰہ غیرک" تک پڑھی جائے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم سے سرکار دوعالم ﷺ کا عمل اسی طرح مروی ہے۔

دوسرا قول : امام ابو یوسف اور دوسرے حضرات ان کے ساتھ ہیں، ان کے نزدیک دعا کے ساتھ ساتھ وہ دعا بھی پڑھنی چاہیے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

دلیل : عن علی رضی الله عنه قال : ان رسول الله ﷺ اذا افتح الصلوة ، قال

" وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفاً مسلماً وما انا من المشرکین ان صلاتی و نسکی و محیاتی ومماتی للّٰہ رب العالمین، لا شریک لہ وبذلک امرت وانااوّل المسلمین، " بھی پڑھنا مستحب ہے کیونکہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عمل اسی طرح مروی ہے۔

باب قرائۃ " بسم اللہ الرحمن الرحیم " فی الصلوۃ

﴿باب: نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا﴾

سوال : نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کے بارے کیا حکم ہے؟

جواب : "بسم اللہ الرحمن الرحیم " کے بارے میں دو مسئلے ہیں۔

(۱)۔۔۔پہلا مسئلہ یہ ہے کہ "بسم اللہ "سورت فاتحہ کا جزء ہے یا نہیں؟

(۲)۔۔۔دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ نماز میں " بسم اللہ " پڑھی جائے گی یا نہیں؟

اوراگر پڑھی جائے گی تو پھر جہراً پڑھی جائے گی یا سراً؟

امام طحاوی نے اس بارے میں تین مذاہب ہیں۔

پہلا قول : امام شافعی کے نزدیک " بسم اللہ " سورۂ فاتحہ قرآن کا جزء بھی ہے اور سورت فاتحہ کا جزء بھی ہے لہذا اسے سورۂ فاتحہ کے ساتھ جہراً پڑھا جائے۔

دلیل: عَنْ نُعَیْمِ بْنِ الْمُجْمِرِ قَالَ :صَلَّیْتُ وَرَاءَ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُ، فَقَرَأَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ "فَلَمَّا بَلَغَ (غَیْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّینَ) قَالَ :آمِینَ، فَقَالَ النَّاسُ "آمِینَ "ثُمَّ یَقُولُ إِذَا سَلَّمَ "أَمَا وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهِ إِنِّی لَأُشْبِهُکُمْ صَلَاةً بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کیا" غیر المغضوب علیھم والضالین " پر پہنچے تو آمین کہا تو لوگوں نے بھی آمین کہا پھر سلام پھیرنے کے بعد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم سب سے زیادہ میری نماز سرکار دوعالم ﷺ کی نماز کے مشابہ ہے، حضرت ابن عمر، ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اسی طرح منقول ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو سورۂ فاتحہ کی سات آیات میں شمار کیا۔

دوسرا قول : امام مالک کا ہے ان کے نزدیک نماز میں "بسم اللہ الرحمن الرحیم " نہ سورت فاتحہ کا جزء ہے اور نہ ہی قرآن کا جزء ہے اس لئے نماز میں پڑھی ہی نہیں جائے گی۔

دلیل : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوئے تو" الحمدللہ رب العالمین" سے شروع کرتے اور خاموشی بھی اختیار نہ کرتے۔

تیسرا قول : امام ابوحنیفہ، امام اسحاق، امام احمد کے نزدیک "بسم الله "سورت فاتحہ کا جزء تو نہیں البتہ قرآن کا جزء ہے اس لئے اسے تمام نمازوں میں سراً پڑھا جائے گا، جہراً نہیں۔

دلیل : عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: (لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَلاأَبُو بَكْرٍ وَلَا عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ يَجْهَرُونَ بِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) .وَكَمَا حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي دَاوُد ، قَالَ :ثنا دُحَيْمُ بْنُ الْيَتِيمِ ، قَالَ :ثنا سُوَيْدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ ، عَنْ عِمْرَانَ الْقَصِيرِ ، عَنِ الْحَسَنِ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانُوا يُسِرُّونَ بِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ).

نوٹ : امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر بسم اللہ سورۂ فاتحہ کی جزء ہوتی تو آپ دوسری رکعت میں فاتحہ کی طرح اسے بھی پڑھتے تو یہ حدیث سند کی استقامت اور صحت کے اعتبار سے نعیم بن مجمر کی روایت سے اَولیٰ ہے۔ متواتر روایات سے ثابت ہے کہ رسول اکرم ﷺ حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق، اور حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہم نماز میں بسم اللہ بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے کو بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے دیکھا تو فرمایا، بیٹے یہ بدعت ہے اس سے بچو میں نے سرکار دو عالم ﷺ، حضرت صدیق اکبر، عمر فاروق اور عثمانِ غنی رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی ہے لیکن اسے کسی ایک سے نہیں سنا لہذا۔ الحمدللہ ربّ العالمین" سے شروع کیا کرو، ان روایات سے بسم اللہ کا ترک لازم نہیں آتا کیونکہ یہاں قرات مراد ہے اور وہ ثناء کی طرح بسم اللہ کو بطورِ ذکر پڑھتے تھے اس لیے اسے بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے، حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضرت عمر فاروق اور علی المرتضی رضی اللہ عنہ، بسم اللہ، اعوذ باللہ اور آمین بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔

تو جب سرکار دو عالم ﷺ سے ثابت ہوا کہ آپ نے بسم اللہ کو با آواز بلند نہیں پڑھا تو معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کا حصہ نہیں۔

نظرِ طحاوی : نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ "بسم اللہ" سورت فاتحہ اور دوسری تمام سورتوں کے شروع میں لکھی ہوئی ہوتی ہے اور سورت فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کا جزء نہیں جس پر قیاس اور قیاس کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ یہ سورتِ فاتحہ کا جزء بھی نہیں ہونا چاہیے اور جب سورتِ فاتحہ کا جزء نہیں تو اسے جہراً پڑھنا نہیں، سراً پڑھنا چاہیے۔

باب القراءة في الظهر والعصر

﴿باب: ظہر وعصر میں قرات﴾

سوال : ظہر وعصر کی نماز میں سری وجہری نماز کے بارے میں کیا اقوال ہیں؟

جواب : ظہر وعصر کی نماز میں بالاتفاق جہری قراءت نہیں ہے، البتہ سری قراءت میں دو قول ہیں

پہلا قول : حسن بن صالح اور ایک روایت کے مطابق امام مالک کے نزدیک ظہر وعصر کی نمازوں میں قراءت نہیں۔

دلیل : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے نفی فرمائی۔

دوسرا قول : ائمہ ثلاثہ اور ایک روائت کے مطابق امام مالک کا ہے ان کے نزدیک ظہر وعصر کی نمازوں میں قرات ہے وہ متعدد روایات سے استدلال کرتے ہیں اور قیاس بھی ان کی تائید کرتا ہے، تینوں حنفی آئمہ کا یہی مسلک ہے،

دلیل : حضرت ابوقتادہ، علی المرتضی، ابوسعید خذری، جابر بن سمرہ، عمران بن حصین، عمران، ابن عمر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور انس رضی اللہ عنہم سے مروی روایت میں ظہر وعصر کی نمازوں میں قراءت ہے بلکہ ان سورتوں کے نام بھی مذکور ہیں جو سرکار دوعالم ﷺ ان نمازوں میں پڑھتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ان نمازوں میں قران پاک پڑھنا مروی ہے اور آپ کی اپنی رائے بھی یہی تھی لہذا اسے ترجیح حاصل ہوگی۔

نظر طحاوی : قیاس کے طور پر دوسرے گروہ کا مسلک یوں ثابت ہوتا ہے کہ قیام، رکوع، سجدہ اور آخری قعدہ نماز کے فرائض سے ہیں اور یہ تمام نمازوں میں فرض ہیں تو قراءت بھی جب فرائض نماز سے ہے تو تمام نمازوں میں فرض ہونی چاہیے، جو لوگ قراءت فرض نہیں مانتے ان کے

نزدیک بھی مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں بلند آواز سے اور باقی رکعات میں آہستہ قراءت ہوتی ہے تو جب ان نمازوں میں جہر کے ساقط ہونے سے قراءت ساقط نہیں ہوتی تو ظہر وعصر کی نمازوں میں جہر کا ساقط ہونا قراءت کے سقوط کا باعث کیسے بنے گا۔

باب القرائة فی الصلوة المغرب

﴿باب: نمازِ مغرب میں قراءت﴾

سوال : نمازِ مغرب میں کونسی سورتیں پڑھنی چاہیے؟

جواب : نمازِ مغرب کی قراءت میں اختلاف ہے کہ کونسی سورتیں پڑھنی چاہئے اور اس بارے میں دو قول ہیں۔

پہلا قول : اہلِ ظواہر اور امام شافعی کا ایک قول ہے کہ مغرب میں طوالِ مفصل پڑھنا مندوب ہے۔

دلیل: عَنْ ابْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ :(سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ).

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا، حضرت ام الفضل بنت حارث اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی اسی قسم کی روایات مروی ہیں جن میں سورۂ مرسلات اور ''المص'' کا ذکر ہے۔

دوسرا قول : امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام اسحاق رحمھم اللہ ہیں ان کے نزدیک قصار مفصل (سورہ بینہ ۹۸ نمبر سورۃ سے آخر قرآن تک) میں سے قراءت کی جائے۔

وَخَالَفَهُمْ آخَرُونَ فِي قَوْلِهِمْ ، فَقَالُوا :لَا يَنْبَغِي أَنْ يُقْرَأَ فِي الْمَغْرِبِ إِلَّا بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ . سے یہی لوگ مراد ہیں۔

دلیل : عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ.

نوٹ: یہ کہ میں دو باتوں کا احتمال ہے ممکن ہے سورۂ طور وغیرہ کا بعض حصہ پڑھا ہوا اور ہو سکتا ہے پوری سورت پڑھتے ہوں کیونکہ لغت میں بعض پر کل کا اطلاق جائز ہے۔

لہٰذا اب دیکھیں گے کہ کیا کوئی ایسی روایات ہیں جو ان میں سے ایک تاویل کو ترجیح دیتی ہوں تو دیگر روایات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا مسلک صحیح ہے، وہ یوں کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو آیتِ کریمہ ''ان عذاب ربک لواقع'' پڑھتے ہوئے سنا اس سے معلوم ہوا کہ آپ سورۂ طور کا بعض حصہ پڑھتے تھے، المص کے بارے میں بھی یہی تاویل ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز مغرب کے بعد نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تیراندازی کرتے تو تیر لگنے کی جگہ نظر آتی اسی طرح وہ دو دو تین تین میل کے فاصلے پر گھروں کو جاتے اور انہیں تیر لگنے کی جگہ دکھائی دیتی، معلوم ہوا کہ مغرب مین طویل قراءت نہ تھی اسی طرح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھ کر واپس اپنے گھروں کو نماز پڑھاتے ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے نماز میں تاخیر فرمائی حضرت معاذ واپس آئے تو نماز پڑھاتے ہوئے سورۂ بقرہ شروع کردی ایک شخص نے الگ نماز پڑھی پھر حضور کی خدمت میں ماجرا عرض کیا تو آپ نے فرمایا اے معاذ، کیا لوگوں کو فتنے میں ڈالتے ہو۔

اگر یہ نمازِ مغرب تھی تو اس میں طویل سورت پڑھنے سے ممانعت ہوئی اور اگر عشاء کی نماز مراد ہو تو پھر نماز مغرب میں مختصر قراءت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ جب عشاء میں طویل سورت پڑھنے سے منع فرمایا گیا تو مغرب میں بدرجہ اولیٰ ممانعت ہوئی اور اسکی دلیل یہ بھی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نماز عشاء میں ''والشمس وضحٰھا'' جیسی سورتیں پڑھتے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نمازِ مغرب میں ''والتین والزیتون'' وغیرہ سورتیں پڑھتے تو

دونوں قسم کی احادیث پر عمل اسی طرح ہوسکتا ہے کہ جن میں طویل سورتوں کا ذکر ہے وہاں سورت کا بعض حصہ مراد ہے۔

سوال : طوال، اوساط اور قصار مفصل کی مقدار کیا ہے؟

جواب : طوال، اوساط اور قصار مفصل کی مقدار کے بارے اختلاف ہے۔

احناف کے نزدیک:

(۱)۔۔۔طوال مفصل ”سورت حجرات سے لے کر سورت بروج تک کی صورتوں کو کہا جاتا ہے۔

(۲)۔۔۔اوساطِ مفصل ”سورت بروج سے لے کر سورت بینہ“ تک کی سورتوں کو کہا جاتا ہے۔

(۳)۔۔۔قصار مفصل ”سورت بینہ سے لے کر آخر تک“ کی سورتوں کو کہا جاتا ہے۔

امام شافعی کے نزدیک :

(۱)۔۔۔طوال مفصل ”سورت حجرات سے لے کر سور نباء تک“ کی سورتوں کو کہا جاتا ہے۔

(۲)۔۔۔اوساطِ مفصل ”سورت نباء سے لے کر سورت والضحیٰ“ تک کی سورتوں کو کہا جاتا ہے۔

(۳)۔۔۔قصار مفصل ”سورت والضحیٰ سے لے کر آخر تک“ کی سورتوں کو کہا جاتا ہے۔

امام مالک کے نزدیک :

(۱)۔۔۔طوال مفصل ”سورت حجرات سے لے کر سورت والنازعات تک“ کی سورتوں کو کہا جاتا ہے

(۲)۔۔۔اوساطِ مفصل ”سورت والنازعات سے لے کر سورت والضحیٰ“ تک کی سورتوں کو کہا جاتا ہے۔

(۳)۔۔۔قصار مفصل ”سورت والضحیٰ سے لے کر آخر تک“ کی سورتوں کو کہا جاتا ہے۔

امام احمد کے نزدیک :

(۱)۔۔۔طوال مفصل ”سورت ق سے لے کر سورۃ نباء تک“ کی سورتوں کو کہا جاتا ہے۔

(۲)۔۔۔اوساطِ مفصل ”سورت نباء سے لے کر سورت والضحیٰ“ تک کی سورتوں کو کہا جاتا ہے۔

(۳)۔۔۔قصار مفصل ”سورت والضحیٰ سے لے کر آخر تک“ کی سورتوں کو کہا جاتا ہے۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ

﴿باب: امام کے پیچھے قراءت کرنا﴾

سوال : کیا امام کے پیچھے قرات کرنا جائز ہے؟

جواب : امام طحاوی نے اس بارے میں دو قول نقل فرمائے ہیں۔

پہلا قول : اس کے قائلین امام شافعی، داؤد ظاہری اور امام اسحاق ہیں ان کے نزدیک مقتدی کے لیے بھی سورۂ فاتحہ کی قراءت ضروری ہے۔

دلیل: (ا)۔۔عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ : (صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْفَجْرِ فَتَعَايَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ :أَتَقْرَءُونَ خَلْفِي قُلْنَا :نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ، فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا) .

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قراءت بھاری ہوگئی تو سلام پھیرنے کے بعد فرمایا کیا تم میرے پیچھے قراءت کرتے ہو، انہوں نے عرض کیا، جی ہاں'' آپ نے فرمایا سورۂ فاتحہ کے علاوہ ایسا نہ کرو کیونکہ جس نے اسے نہ پڑھا اس کی نماز نہیں ہوئی۔

(۲) ..عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ : (سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ (كُلُّ صَلَاةٍ لَمْ يُقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ).

نوٹ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح کی روایات مروی ہیں حضرت عمر بن خطاب اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ظہر وعصر کی نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کے بارے میں مروی ہے۔

دوسرا قول : احناف رحمھم اللہ کا ہے اور ان کے نزدیک ''فاتحہ خلف الامام'' مطلقاً جائز نہیں ہے نہ جہری نمازوں میں اور نہ سری نمازوں میں اور نہ ہی سورت فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت

کا پڑھنا جائز ہے۔ جب کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو امام کی قراءت ہی اس کی قراءت ہوتی ہے۔

دلیل : عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ مِنْ صَلَاةٍ جَهَرَ فِيهَا بِالْقِرَاءَةِ ، فَقَالَ هَلْ :قَرَأَ مِنْكُمْ مَعِي أَحَدٌ آنِفًا فَقَالَ رَجُلٌ :نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ " :رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي أَقُولُ مَا لِي أُنَازَعُ الْقُرْآنَ ؟). قَالَ فَانْتَهَى النَّاسُ عَنْ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا جَهَرَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْقِرَاءَةِ ، مِنْ الصَّلَوَاتِ ، حِينَ سَمِعُوا ذَلِكَ مِنْهُ .

دلیل : عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ ، فَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا).

نوٹ : لہذا ان احادیث میں جو سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز کے نامکمل ہونے کا ذکر ہے اس سے امام اور تنہا پڑھنے والے کی نماز مراد ہے انہوں نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے استدلال کیا کہ امام، مقتدیوں کو کفایت کرتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ، عبداللہ بن مسعود، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن شداد، علی المرتضی، زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم سے امام کے پیچھے قراءت کی ممانعت مروی ہے۔

دونوں قسم کی احادیث میں پائے جانے والے تعارض کو دور کرنے کے لیے قیاس کی طرح رجوع کیا گیا تو اس سے بھی دوسرے گروہ کو تائید حاصل ہوتی ہے۔

وہ یوں کہ جب کوئی شخص نماز میں اس طرح آئے جب امام رکوع میں ہو تو قراءت کو چھوڑ کر رکوع میں شامل ہوسکتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کا قراءت ترک کرنا محض ضرورت کے تحت

نہیں ورنہ دیگر فرائض یعنی تکبیر تحریمہ اور قیام کو بھی چھوڑ سکتا بلکہ قراءت کو چھوڑنے کی اس لیے اجازت ہے کہ یہ مقتدی پر نہیں بلکہ امام پر فرض ہے۔

باب الخفض فی الصلوۃ ھل فیہ تکبیر

﴿باب: نماز میں نیچے جاتے ہوئے تکبیر کہنا﴾

سوال : نماز میں نیچے جاتے ہوئے تکبیر کہنا؟

جواب : حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تکبیر کو مکمل نہیں کرتے تھے اس حدیث کی بنیاد پر بعض حضرات نماز میں نیچے جاتے ہوئے تکبیر نہیں کہتے۔

جب کہ دوسرے حضرات جن میں حضرت امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، اور امام محمد رحمہم اللہ بھی شامل ہیں نماز میں نیچے جاتے اور اوپر اٹھتے ہوئے دونوں حالتوں میں تکبیر کے قائل ہیں۔

دلیل : یہ حضرات جن احادیث مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں وہ تواتر کے ساتھ مروی ہیں حضرت ابوبکر صدیق، فاروق اعظم، حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام کا عمل بھی اسی طرح مروی ہے۔

نیز قیاس بھی اسی کی تائید کرتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا جب بھی نیچے جاتے اور اوپر اٹھتے، تکبیر کہتے۔

حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس، حضرت علی المرتضی، حضرت ابو موسی اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے بھی اسی مضمون کی روایات مروی ہیں، لہذا حضرت عبدالرحمٰن بن بزی رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ اولیٰ ہیں۔

قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نیچے جاتے ہوئے بھی تکبیر کہی جائے کیونکہ نماز میں ایک

حالت سے دوسری حالت کی طرف انتقال تکبیر کے ذریعے ہوتا ہے تو رکوع اور سجدے میں جاتے ہوئے بھی تکبیر کہی جائے گی۔

باب التكبير للركوع هل مع ذالك رفع ام لا ؟

﴿باب: رکوع اور سجدے کی تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھانا﴾

سوال: ہاتھوں کو نماز میں کہاں کہاں اُٹھانا چاہئے؟

جواب: رفع یدین (ہاتھوں کو اُٹھانے) کے بارے میں تین اقوال ہیں۔

پہلا قول: بعض شوافع اور بعض اہل حدیث کا ہے ان کے نزدیک تین جگہ ہاتھ اُٹھائے جائیں گے۔

﴿1﴾......رکوع میں جاتے وقت

﴿2﴾......رکوع سے اُٹھتے وقت

﴿3﴾......سجدے سے قیام کی طرف اُٹھتے وقت تکبیر کے ساتھ ہاتھ بھی اٹھائے جائیں۔

دلیل: حضرت علی ابن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوحمید ساعدی، حضرت وائل بن حجر، حضرت مالک بن حویرث اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کی روایات سے استدلال کیا ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ، تکبیر تحریمہ، رکوع میں جاتے اور اُس سے اٹھتے وقت نیز قعدے سے قیام کی طرف منتقل ہوتے وقت تکبیر کے ساتھ ہاتھ بھی اٹھاتے تھے۔

دوسرا قول: امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا ہے ان کے نزدیک دو جگہ ہاتھ اُٹھائے جائیں گے۔

﴿1﴾......رکوع میں جاتے وقت

﴿2﴾......رکوع سے اُٹھتے وقت

دلیل: عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: (رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ

الصَّلَاةَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ ، حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ وَبَعْدَ مَا يَرْفَعُ وَلَا يَرْفَعُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ).

اس حدیث مبارکہ میں تصریح ہے کہ آپ ﷺ تکبیر تحریمہ کے علاوہ صرف دو جگہوں پر ہاتھ اُٹھایا کرتے تھے۔

تیسرا قول : احناف رحمہم اللہ کا ہے ان کے نزدیک صرف تکبیر اُولیٰ میں ہاتھ اٹھائے جائیں گے۔

دلیل : عَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ :(كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ لِافْتِتَاحِ الصَّلَاةِ ، رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يَكُونَ إِبْهَامَاهُ قَرِيبًا مِنْ شَحْمَتَيْ أُذُنَيْهِ ، ثُمَّ لَا يَعُودُ).

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مختلف طرق سے مروی ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے دوبارہ یہ عمل نہیں فرماتے تھے۔

پہلے قول والوں کی احادیث کا جواب یوں دیا جاتا ہے، کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بھی مروی ہے کہ آپ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے، اب دوصورتیں ہیں یا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی پہلی روایت صحیح نہیں یا صحیح ہے لیکن وہ منسوخ ہو چکی ہے ورنہ آپ اس کے خلاف عمل نہ فرماتے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل بھی اسی طرح مروی ہے کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے، معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی رکوع وغیرہ کے وقت ہاتھ اُٹھانے سے متعلق حدیث منسوخ ہے، حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے جو کچھ مروی ہے، حضرت ابن مسعود رضی

اللہ عنہ سے اس کے خلاف مروی ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحبت میں مقدم ہیں اور سرکار دو عالم ﷺ کے افعال کو زیادہ سمجھتے ہیں کیونکہ وہ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق نماز میں آپ کے قریب کھڑے ہوتے تھے۔

اگر کہا جائے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حضرت ابراہیم کی روایت متصل نہیں تو جواباً کہا جائے گا کہ وہ آپ سے اسی وقت روایت کرتے جب ان کے نزدیک حدیث کی صحت اور تواتر ثابت ہو جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی روایت کو اسماعیل بن عیاش نے روایت کیا اور یہ حضرات خود اسماعیل کی غیر شامیوں سے روایت کو نہیں مانتے تو دوسروں کے خلاف اس سے کیسے استدلال کر سکتے ہیں، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت مرفوع نہیں موقوف ہے۔ معلوم ہوا کہ رکوع وسجود وغیرہ کے وقت ہاتھ اُٹھانے سے متعلق روایات یا تو منسوخ ہیں یا غیر ثابت۔

نظر طحاوی : قیاس سے بھی دوسرے مسلک کو تائید حاصل ہوتی ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے اور سجدوں کے درمیان تکبیر کے وقت ہاتھ نہ اٹھانے پر سب کا اتفاق ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ رکوع میں جاتے یا اس سے اٹھتے اور قعدہ سے قیام کی طرف منتقل ہوتے وقت کی تکبیر کا تعلق کس کے ساتھ ہے تو تکبیر تحریمہ کے ساتھ اس کا تعلق نہیں کیونکہ وہ فرض ہے، اور یہ فرض نہیں لہذا ان کا تعلق سجدوں کے درمیان والی تکبیر کے ساتھ ہوگا کیونکہ یہ سب تکبیریں سنت ہیں لہذا ہاتھ اٹھانے سے متعلق بھی یہی مسئلہ ہوگا کہ اسے تکبیر تحریمہ پر نہیں سجدوں کی تکبیر پر قیاس کیا جائے گا اور چونکہ وہاں ہاتھ نہیں اٹھائے جاتے لہذا یہاں بھی نہ اٹھائے جائیں۔

باب التطبیق فی الرکوع

﴿باب: رکوع میں تطبیق﴾

سوال : تطبیق کسے کہتے ہیں اور رکوع میں تطبیق مسنون ہے یا نہیں؟

جواب : نماز میں رکوع کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو ملا کر گھٹنوں کے درمیان میں رکھنے کو تطبیق کہتے ہیں۔

اب رہی بات اس کے مسنون ہونے یا نہ ہونے کی تو اس میں اختلاف ہے اور اس بارے میں دو قول ہیں۔

پہلا قول : یہ ہے کہ تطبیق کی جائے یعنی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر رانوں کے درمیان رکھا جائے۔

دلیل: عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ ، (أَنَّهُمَا دَخَلَا عَلَى عَبْدِ اللَّهِ فَقَالَ أَصَلَّى هٰؤُلَاءِ خَلْفَكُمْ ؟ فَقَالَا :نَعَمْ :فَقَامَ بَيْنَهُمَا وَجَعَلَ أَحَدَهُمَا عَنْ يَمِينِهِ وَالْآخَرَ عَنْ شِمَالِهِ ، ثُمَّ رَكَعْنَا فَوَضَعْنَا أَيْدِيَنَا عَلَى رُكَبِنَا ، فَضَرَبَ أَيْدِيَنَا فَطَبَّقَ ثُمَّ طَبَّقَ بِيَدَيْهِ ، فَجَعَلَهُمَا بَيْنَ فَخِذَيْهِ .فَلَمَّا صَلَّى قَالَ هٰكَذَا فَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

حضرت علقمہ اور اسود رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ وہ دونوں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے ان کو نماز پڑھائی اذان اور اقامت کا حکم نہ دیا اور تطبیق فرمائی اور بتایا کہ رسول اکرم ﷺ نے اسی طرح کیا ہے۔

جواب : تطبیق ابتدائے اسلام میں مسنون تھی بعد میں منسوخ ہوگئی۔ نسخ کی دلیل یہ ہے۔

دلیل : عن مصعب بن سعد رضی اللہ عنه يقول : صليت الى جنب أبى فجعلت يدى بين ركبتين ،فضرب يدى ،فقال : يا بنى ،انا كنا نفعل هذا ، فأمرنا أن نضرب بالأكف على الركب .

دوســـرا قول : یہ ہے کہ تطبیق نہ کی جائے، یعنی رکوع میں ہاتھوں کی انگلیوں کو کشادہ کرتے ہوئے گھٹنوں پر رکھا جائے۔

اور اس کے قائل ائمہ اربعہ اور جمہور فقہائے اسلام ہیں اور ان کے نزدیک ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنا مسنون ہے۔

دلیل : عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ ، قَالَ (رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَكَعَ ، وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ)

دلیل : فَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ :أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، (كَانَ إِذَا رَكَعَ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ ، كَأَنَّهُ قَابِضٌ عَلَيْهِمَا).

دلیل :حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرَةَ قَالَ :ثنا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ :ثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ ، قَالَ سَمِعْتُ أَبَا حُمَيْدٍ السَّاعِدِيَّ فِي عَشَرَةٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، أَحَدُهُمْ أَبُو قَتَادَةَ ، فَذَكَرَ مِثْلَهُ .قَالَ فَقَالُوا جَمِيعًا " صَدَقْتَ. "

اس سلسلے میں انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت ابو حمید، حضرت وائل بن حجر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا کہ سرکار دو عالم ﷺ رکوع کرتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے گویا آپ نے ان کو پکڑ رکھا ہو۔

تو یہ روایات پہلی روایت کے مخالف ہیں اور ان میں تواتر بھی ہے تو اب دیکھنا یہ ہے کہ ان میں سے کون سی ناسخ اور کون سی منسوخ ہیں تو حضرت ابو یعفور فرماتے ہیں میں نے حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اپنے والد کے پہلو میں نماز پڑھتے ہوئے میں نے اپنے ہاتھ گھٹنوں کے درمیان رکھے انہوں نے فرمایا بیٹا، ہم اسی طرح کرتے تھے تو ہمیں حکم دیا گیا کہ

ہتھیلیوں کو گھٹنوں کے اوپر رکھیں، اس سے معلوم ہوا کہ تطبیق کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

نظر طحاوی : قیاس سے بھی اسی مسلک کی تائید ہوتی ہے کیونکہ تطبیق میں ہاتھ کو ملایا جاتا ہے جب کہ ہم دیکھتے کہ رکوع اور سجدے میں اعضاء کو ایک دوسرے سے دور رکھنے کا حکم ہے اس طرح حالتِ قیام میں بھی پاؤں کے درمیان فاصلہ ہونا چاہیے تو معلوم ہوا کہ رکوع میں گھٹنوں پر انگلیوں کو کشادہ کر کے رکھا جائے، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام ابو یوسف، اور حضرت ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

باب مقدار الركوع والسجود

﴿باب: رکوع اور سجدے کی کم از کم مقدار﴾

سوال : رکوع اور سجدے کی کم از کم مقدار کیا ہے؟

جواب : اس بارے میں دو مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب : یہ امام احمد اور امام اسحاق کا ہے ان کے نزدیک رکوع کی کم از کم مقدار یہ ہے کہ تین بار " سبحان ربی العظیم" پڑھا جائے اسی طرح سجدہ اتنا ہو کہ اس میں کم از کم تین بار " سبحان ربی الاعلی" پڑھا جاسکے۔

دلیل : عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ (إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ فِی رُكُوعِهِ سُبْحَانَ رَبِّی الْعَظِیمِ ثَلَاثًا ، فَقَدْ تَمَّ رُكُوعُهُ وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ ، وَإِذَا قَالَ فِی سُجُودِهِ سُبْحَانَ رَبِّی الْأَعْلٰی ثَلَاثًا فَقَدْ تَمَّ سُجُودُهُ وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع میں تین بار " سبحان ربی العظیم" کہہ دے تو اس کا رکوع پورا ہو گیا اور یہ کم از کم ہے،

اور جب سجدہ میں تین بار ''سبحان ربی الاعلیٰ'' کہہ دے تو اس کا سجدہ پورا ہو گیا اور یہ بھی کم از کم ہے۔

جواب: اس حدیث مبارک میں تین تسبیحات کو نفس رکوع اور سجدے کا ادنی درجہ نہیں قرار دیا گیا بلکہ رکوع اور سجدے کے کامل ہونے کا ادنی درجہ قرار دیا گیا ہے اور ''وذالك ادناه'' کا یہی مطلب ہے۔

دوسرا مذہب: ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہائے اسلام کا ہے ان کے نزدیک رکوع کی مقدار یہ ہے کہ رکوع میں اطمینان حاصل ہو جائے، سجدے کا بھی یہی حکم ہے۔

دلیل: عَنْ عَمِّهِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ جَالِسًا فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى، وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ فَقَالَ لَهُ إِذَا قُمْتَ فِي صَلَاتِكَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ إِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْآنٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَكَ قُرْآنٌ، فَاحْمَدُ اللَّهَ، وَكَبِّرْ وَهَلِّلْ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ قُمْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ اجْلِسْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، فَإِذَا فَعَلْتَ ذَلِكَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ وَمَا أَنْقَصْتَ مِنْ ذَلِكَ.

ایک شخص کو نماز لوٹانے کا حکم دیتے ہوئے سرکار دو عالم ﷺ نے اسی طرح فرمایا ہے، آپ نے فرمایا ''پھر رکوع کرو یہاں تک مطمئن ہو جاؤ اس کے بعد کھڑے ہو جاؤ، یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو کر پھر سجدہ کرو حتی کہ سجدے میں اطمینان حاصل ہو جائے، پھر بیٹھو حتی کہ مطمئن ہو جاؤ جب ایسا کرو گے تو تمہاری نماز مکمل ہو گئی۔

تطبیق: دونوں حدیثوں پر عمل اس طرح ہو سکتا ہے کہ جو کچھ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے وہ تکمیل نماز کے لیے ہے اور جو کچھ پہلی روایات میں بیان ہوا وہ باعث فضیلت ہے، علاوہ

ازیں پہلی حدیث منقطع ہونے کی وجہ سے دوسری حدیث کے برابر بھی نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

باب ما ینبغی ان یقال فی الرکوع والسجود

﴿باب: رکوع اور سجدے میں کیا پڑھا جائے؟﴾

سوال : رکوع اور سجدے میں کیا پڑھا جائے؟

جواب : رکوع اور سجدے میں کیا پڑھا جائے، اس ضمن میں تین مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب : یہ کہ رکوع اور سجدے میں نمازی جو دعا چاہے پڑھ سکتا ہے۔ اس کے قائلین امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق ہیں۔

دلیل : یہ حضرت علی بن ابی طالب، عبد اللہ بن عباس، عائشہ صدیقہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات سے استدلال کرتے ہیں، جن میں سرکار دو عالم ﷺ کے رکوع اور سجدے میں مختلف دعاؤں کے پڑھنے کا ذکر ہے۔

دوسرا مذہب : یہ ہے کہ رکوع میں صرف ”سبحان ربی العظیم“ پڑھا جائے البتہ سجدے میں خوب دعا مانگیں اس کے قائل امام مالک ہیں انکا استدلال حضرت علی المرتضیٰ اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات سے ہے، جس سے پہلے مسلک کے قائلین نے استدلال کیا ہے، ان کے نزدیک آیت کریمہ ”فسبح باسم ربک العظیم“ رکوع کی دعاؤں کے لیے ناسخ ہے جب کہ سجدے میں جو دعا چاہیں مانگ سکتے ہیں۔

تیسرا مذہب : یہ ہے کہ رکوع میں صرف ”سبحان ربی العظیم“ اور سجدہ میں ”سبحان ربی الاعلیٰ“، پڑھا جائے وہ کہتے ہیں جن احادیث میں دعاؤں کا ذکر ہے وہ منسوخ ہو چکی ہیں کیونکہ جب آیتِ کریمہ ”فسبح باسم ربک العظیم“ نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ

نے فرمایا اسے اپنے رکوع میں کرلو اور جب آیتِ کریمہ " سبح اسم ربک الاعلیٰ "نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا اسے اپنے سجدے میں کرلو، حضرت عامر جہنی رضی اللہ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انہوں نے ایک رات سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے رکوع اور سجدے میں یہی کلمات پڑھے، احناف کا یہی مسلک ہے۔

قیاس سے بھی اسی مسلک کو تائید حاصل ہوتی ہے کیونکہ نماز کے آغاز میں اور ارکان کی تبدیلی کے وقت تکبیر کہی جاتی ہے، اور وہ ذکر خداوندی ہے قعدے میں تشہد پڑھی جاتی ہے۔ اور بھی ذکر ہے اور جب ان میں کمی زیادتی نہیں کی جاتی تو رکوع اور سجدے کی تسبیحات بھی ذکر خداوندی ہیں، لہذا وہی الفاظ پڑھے جائیں جو ان سے مخصوص ہیں البتہ تشہد سے فارغ ہو کر جو دعا چاہیں مانگ سکتے ہیں۔

باب الامام یقول : سمع اللہ لمن حمدہ

هل ينبغي له ان يقول بعدها : " ربنا ولك الحمد " ام لا؟

﴿باب: کیا امام ربنا ولک الحمد بھی کہے﴾

سوال: کیا امام کے لئے سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد ربنا ولک الحمد کہنا مناسب ہے؟

جواب: اس بارے میں امام طحاوی نے دو قول ذکر فرمائے ہیں۔

پہلا قول: امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا ہے ان کے نزدیک امام "سمع اللہ لمن حمدہ" اور مقتدی "ربنا ولک الحمد" کہیں۔

دلیل: عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ ، قَالَ : (عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ فَقَالَ :إذا كَبَّرَ الْإِمَامُ فَكَبِّرُوا ، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا ، وَاِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا ، وَإِذَا قَالَ :سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا :اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ يَسْمَعُ اللَّهُ لَكُمْ ، فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ہمیں نماز سکھائی تو فرمایا، جب امام تکبیر کہے تو تم بھی کہو وہ رکوع کرے تو تم بھی کرو وہ سجدہ کرے تو تم بھی کرو جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ، کہے تو تم " اللھم ربنا ولک الحمد" کہو، الخ۔

دوسرا قول : امام شافعی، امام اسحاق، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا ہے ان کے نزدیک امام بھی" ربنا ولک الحمد" کہے امام طحاوی رحمۃ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

دلیل : عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ :(أَنَا أَشْبَهُكُمْ صَلَاةً بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، كَانَ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَالَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ).

نوٹ : وہ کہتے جب سرکار دو عالم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے کہ مقتدی "ربنا ولک الحمد " کہے تنہا نماز پڑھنے والے کے لیے اس کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی تو امام کے لیے کیوں ثابت ہوگی۔ نیز رسول اکرم ﷺ سے بھی ثابت ہے اس سلسلے میں حضرت علی بن ابی طالب، ابن عباس، ابن ابی اوفی اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے روایات آئی ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قیاس کا بھی یہ تقاضا ہے کہ کیونکہ نماز میں امام اور تنہا نماز پڑھنے والے کا حکم ایک جیسا ہے، تو جب منفرد" ربنا ولک الحمد" کہتا ہے تو امام کو بھی یہ

کلمات کہنے چاہیے۔

باب القنوت فی صلوۃ الفجر وغیرھا

﴿باب: فجر اور دوسری نمازوں میں قنوت پڑھنا﴾

سوال: فجر کی نماز میں دعائے قنوت ہے یا نہیں؟

جواب: نمازِ فجر میں قنوت پڑھی جائے یا نہ؟ اس سلسلے میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: یہ ہے کہ فجر کی نماز میں قنوت ہے اس کے قائلین امام شافعی، ابن ابی لیلیٰ ہیں۔

دلیل: أَبا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: (كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَقُولُ حِينَ يَفْرُغُ مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ مِنَ الْقِرَاءَةِ وَيُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَقُولُ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ اللَّهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ، وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، وَعَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ، وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ، وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ كَسِنِي يُوسُفَ، اللَّهُمَّ الْعَنْ لِحْيَانَ وَرِعْلًا وَذَكْوَانَ، وَعُصَيَّةَ، عَصَتِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، براء بن عازب، عبداللہ بن مسعود خفاف ابن ایماء اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم کی روایات سے استدلال کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نمازِ فجر میں مکہ مکرمہ میں محبوس مسلمان قیدیوں کی رہائی کی دعا مانگتے اور کفار کے چند قبیلوں کے لیے بددعا کرتے، ان روایات میں سے بعض میں ہے کہ آپ نے تیس دن ایسا کیا، بعض میں بیس دن کا ذکر ہے کسی روایت میں ہے کہ آیت کریمہ" اویتوب علیھم اویعذبھم فانھم ظلمون" نازل ہونے پر آپ نے اسے چھوڑ دیا ایک روایت کے مطابق جب قیدیوں کو رہائی مل گئی تو آپ نے نماز فجر میں قنوت ترک کردی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب تک

میں آپ کے ساتھ رہا آپ قنوت پڑھتے رہے۔

دوسرا مذہب : یہ ہے کہ فجر کی نماز میں قنوت نہیں پڑھی جائے گا اس کے قائلین امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ ہیں۔

دلیل : عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ :(قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا بَعْدَ الرُّكُوعِ ، يَدْعُو عَلَى حَيٍّ مِنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ ، ثُمَّ تَرَكَهُ) .

نوٹ : اور جو روایت ہے کہ آپ ﷺ نماز فجر میں قنوت پڑھا کرتے تھے وہ ایک خاص موقعہ کے لیے تھا، لیکن بعد میں منسوخ ہو گیا اور مستقل قنوت نہ اس سے پہلے پڑھا گیا اور نہ ہی بعد میں۔

قنوت کی روایت کرنے والے راویوں میں ایک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں وہ فرماتے ہیں حضور علیہ السلام نے ایک مہینہ قنوت پڑھا نہ اس سے پہلے پڑھا اور نہ ہی بعد میں، بلکہ جب عصیہ اور ذکوان قبیلوں پر غلبہ حاصل ہو گیا تو آپ نے قنوت چھوڑ دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی قنوت کی روایت کی ہے لیکن آپ ہی بتائیے کہ (مندرجہ بالا) آیات کریمہ کے نزول پر یہ حکم منسوخ ہو گیا بلکہ آپ قنوت پڑھنے والوں کا انکار کرتے اور لاعلمی کا اظہار فرماتے ہیں۔

عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور خفاف بھی قنوت کے راویوں میں سے ہیں لیکن ان کے نزدیک بھی نزول آیت کریمہ پر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے فجر اور مغرب میں قنوت مروی ہے، لیکن جب مخالفین کا مغرب میں قنوت کے نسخ پر اجماع ہے تو فجر میں بھی منسوخ ہو گیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دونوں طرح کی روایات مروی ہیں لہذا ان کی روایات سے استدلال نہیں ہو سکتا اگر کہا جائے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سرکار دو عالم ﷺ کے بعد بھی نماز فجر میں قنوت پڑھتے

تھے تو جواباً کیا جائے گا ہو سکتا ہے انہیں سرکار دو عالم ﷺ کے عمل کا علم ہو لیکن آیتِ کریمہ کا علم نہ ہو سکا ہو، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حالت جنگ میں بھی قنوت نہیں پڑھتے تھے۔

حضرت ابو درداء اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما بھی اس کا انکار کرتے ہیں قیاس بھی اسی مذہب کی تائید کرتا ہے کیونکہ ظہر وعصر میں سب کے نزدیک قنوت نہیں وتروں میں اکثر فقہاء کے نزدیک پورا سال قنوت ہے فجر اور مغرب میں لڑائی نہ ہونے کی حالت میں قنوت نہیں تو قیاس کا تقاضا یہی کہ جنگ کی حالت میں بھی ان نمازوں میں قنوت نہ ہو۔

باب ما یبدا بوضعه فی السجود : الیدین او الرکبتین ؟

﴿باب: سجدے میں پہلے ہاتھ رکھے جائیں یا گھٹنے﴾

سوال : کیا سجدے میں پہلے ہاتھ رکھے جائیں یا گھٹنے؟

جواب : اس مسئلے میں دو قول ہیں۔

پہلا قول : اس کے قائلین امام مالک، امام اوزاعی ہیں ان کے نزدیک سجدے میں پہلے ہاتھ اور پھر گھٹنے رکھے جائیں۔

دلیل : عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا (أَنَّهُ كَانَ إِذَا سَجَدَ بَدَأَ بِوَضْعِ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ ، وَكَانَ يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ ذٰلِكَ)۔

حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایات، کہ سرکار دو عالم ﷺ کا عمل یہی تھا اور آپ نے اسی بات کا حکم فرمایا۔

دوسرا قول: اس کے قائلین امام ابو حنیفہ امام شافعی ہیں ان کے نزدیک پہلے گھٹنے اور پھر ہاتھ رکھے جائیں۔

دلیل: عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ (أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ إِذَا سَجَدَ بَدَأَ بِرُکْبَتَیْهِ قَبْلَ یَدَیْهِ).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایات ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص سجدہ کرے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھے۔

نوٹ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متضاد روایات مروی ہیں لہذا ان کا اعتبار ساقط ہوگیا اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات کو ترجیح حاصل ہوگی، کیونکہ ان سے مروی روایت میں اختلاف نہیں۔

پھر قیاس سے بھی دوسرے مسلک کو تقویت و تائید حاصل ہوتی ہے، وہ یوں کہ اعضائے سجدہ سات ہیں لہذا جن اعضاء کے رکھنے میں اتفاق ہے ان پر ہاتھ اور گھٹنوں کے رکھنے کو قیاس کرلیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہاتھوں اور گھٹنوں کے بعد سر کو زمین پر رکھا جاتا ہے اور اٹھتے وقت پہلے سر اٹھایا جاتا ہے پھر ہاتھ اور اس کے بعد گھٹنے اٹھائے جاتے ہیں اس پر سب کا اتفاق ہے، لہذا رکھنے میں اس کے الٹ ترتیب ہوگی یعنی پہلے گھٹنے اسکے بعد ہاتھ اور اس کے بعد سر رکھا جائے، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

استقامت کامیابی کی کنجی ہے

کامیاب لوگ کوشش ترک نہیں کرتے۔

باب وضع الیدین فی السجود

این ینبغی ان یکون ؟

﴿باب: سجدے میں ہاتھ کہاں رکھے جائیں﴾

سوال: سجدے میں ہاتھ کہاں رکھے جائیں؟

جواب: اس بارے میں دو مذاہب ہیں۔

پہلا مذھب: یہ کہ ہاتھ کاندھوں کے برابر رکھے جائیں اس کے قائلین امام شافعی، امام احمد، اور امام اسحاق ہیں۔

دلیل: قَالَ أَبُو حُمَيْدٍ : أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَجَدَ أَمْكَنَ أَنْفَهُ وَجَبْهَتَهُ وَنَحَّى يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ .

حضرت ابو حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے آپ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ سجدے کرتے وقت ناک اور پیشانی رکھتے وقت بازوؤں کو پہلوؤں سے جدا رکھتے اور ہاتھوں کو کاندھوں کے برابر رکھتے۔

دوسرا مذھب: یہ کہ ہاتھ کانوں کے برابر رکھے جائیں اس کے قائلین امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، اور امام محمد رحمہم اللہ ہیں۔

دلیل: عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ كَانَتْ يَدَاهُ حِيَالَ أُذُنَيْهِ).

حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سجدے میں ہاتھوں کو کانوں کے برابر رکھتے تھے۔

امام ابو جعفر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں دونوں گروہوں کے مسلک کی بنیاد تکبیر میں ہاتھوں کا اٹھانا ہے۔ جن کے نزدیک کانوں تک ہاتھ اٹھائے جائیں وہ ہاتھوں کو کانوں کے برابر رکھنے کے قائل ہیں اور جو حضرات تکبیر میں ہاتھوں کو کاندھوں تک اٹھانے کا قول کرتے ہیں ان کے نزدیک سجدے میں ہاتھ کاندھوں کے برابر ہونے چاہیں اور چونکہ تکبیر کے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھانے کا قول ثابت ہو چکا ہے لہذا سجدے میں ہاتھوں کا کانوں کے برابر ہونا ثابت ہوگا۔

……☆……☆……☆……

باب صفة الجلوس فی الصلوة کیف هو؟

﴿باب: نماز میں بیٹھنے کا طریقہ کیا ہے؟﴾

سوال : نماز میں کیسے بیٹھا جائے؟

جواب : اس ضمن میں تین اقوال ہیں۔

پہلا قول : امام مالک کا ہے ان کے نزدیک تمام نماز میں بیٹھنے کا طریقہ یہ ہے کہ مرد اپنا دایاں پاؤں کھڑا کرے بائیں پاؤں کو ٹیڑھا کرے اور زمین پر بیٹھے، اسے ''تورک'' کہتے ہیں اور یہ سنت ہے۔

دلیل : عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ كَانَ يَرَى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ يَتَرَبَّعُ فِی الصَّلَاةِ إِذَا جَلَسَ قَالَ :فَفَعَلْتُهُ يَوْمَئِذٍ وَأَنَا حَدِيثُ السِّنِّ فَنَهَانِی عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَقَالَ :إِنَّمَا سُنَّةُ الصَّلَاةِ أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنَى وَتَثْنِیَ الْيُسْرَى فَقُلْتُ لَهُ :فَإِنَّكَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فَقَالَ :إِنَّ رِجْلَیَّ لَا تَحْمِلَانِی

دلیل : حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی روایت ہے، استدلال کیا ہے کہ ان کے

والد ماجد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اسی طرح کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے فرمایا کہ نماز کی سنت یہ ہے کہ اپنا دایاں پاؤں کھڑا کرو اور بائیں پاؤں کو بچھاؤ۔

دوسرا قول : امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق کا ہے ان کے نزدیک آخری قعدہ میں (تورک) اسی طرح بیٹھے جیسے پہلے قول کے قائلین کا خیال ہے لیکن پہلے قعدے میں بائیں پاؤں پر بیٹھے۔

دلیل : قال ابو حمید الساعدی : ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کانَ فِی الْجِلْسَةِ الْأُولَى يَثْنِي رِجْلَهُ الْيُسْرَى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا حَتَّى إِذَا كَانَتْ السَّجْدَةُ الَّتِي يَكُونُ فِي آخِرِهَا التَّسْلِيمُ أَخَّرَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَقَعَدَ مُتَوَرِّكًا عَلَى شِقِّهِ الْأَيْسَرِ قَالَ :فَقَالُوا جَمِيعًا :صَدَقْتَ).

دلیل : حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فرمانا کہ یہ نماز کی سنت ہے اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ سرکار دو عالم ﷺ کا عمل ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے افعال پر بھی سنت کا اطلاق ہوتا ہے، نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی پہلی روایت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں زمین پر بیٹھنے کا ذکر نہیں، جب کہ حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم ﷺ کے بیٹھنے کا یہ طریقہ یوں بیان کیا ہے کہ آپ پہلے قعدے میں بائیں پاؤں پر اور آخری قعدہ میں سرین کی بائیں جانب بیٹھتے۔

تیسرا قول : احناف کا ہے ان کے نزدیک دونوں قعدوں میں دائیں پاؤں کو کھڑا کرے اور بائیں پاؤں پر بیٹھے یعنی افتراش مسنون ہے۔ وَقَدْ خَالَفَ فِي ذَلِكَ أَيْضًا آخَرُونَ فَقَالُوا :

دلیل : عن وائل بن حجر قال : کان رسول اللہ ﷺ اذا سجد کان یداہ حیال

اذنیہ . و فی روایۃ : فکان اذا سجد وضع وجھہ بین کفیہ .

دلیل : حضرت وائل بن حجر حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشہد کے لیے بیٹھتے تو بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھتے۔

نوٹ : جہاں تک حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق ہے تو محدثین اس قسم کی حدیث سے استدلال نہیں کرتے کیونکہ وہ محمد بن عمرو سے غیر متصل مروی ہے کیونکہ اس میں ہے کہ وہ حضرت ابوحمید اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوئے حالانکہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے ایک عرصہ پہلے انتقال فرما چکے تھے کیونکہ وہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے کہ شہید ہوئے اور آپ نے ہی ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ اور حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ سے جو متصل روایت مروی ہے وہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی روایت کے موافق ہے، لہذا یہ تیسرا قول ثابت ہوا، حضرت امام ابوحنیفہ امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

بابُ التشهد كيفَ هو؟

﴿باب: نماز میں تشہد کی کیفیت﴾

سوال: تشہد میں کونسے کلمات پڑھے جائیں؟

جواب : تشہد کے الفاظ میں اختلاف ہے کیونکہ اس ضمن میں مختلف قسم کے الفاظ منقول ہیں اسی وجہ سے اس بارے میں تین اقوال ہیں۔

پھلا قول : امام مالک کا ہے ان کے نزدیک ان کلمات کا پڑھنا افضل ہے جو کلمات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر پر تشریف فرما ہو کر صحابہ کرام کو سکھائے ”التحیات للہ الزاکیات للہ الصلوۃ للہ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فذھب قوم الی ھذہ الاحادیث .... “ کے مصداق امام مالک ہیں۔

دلیل : عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِی ، أَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ یُعَلِّمُ النَّاسَ التَّشَهُّدَ عَلَی الْمِنْبَرِ وَهُوَ یَقُولُ :قُولُوا :التَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ الزَّاکِیَاتُ لِلّٰهِ ، الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ ، السَّلَامُ عَلَیْکَ أَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهُ السَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِینَ ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ .

دوسرا قول : امام شافعی کا ہے ان کے نزدیک تشہد میں ان کلمات کا پڑھنا افضل ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں ۔ وخالفهم فی ذلک آخرون ۔۔۔ کے یہی مصداق ہیں ۔

دلیل : عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ :(کَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ ، کَمَا یُعَلِّمُنَا الْقُرْآنَ ، فَکَانَ یَقُولُ :التَّحِیَّاتُ الْمُبَارَکَاتُ ، الصَّلَوَاتُ الطَّیِّبَاتُ لِلّٰهِ ، السَّلَامُ عَلَیْکَ أَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهُ ، السَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِینَ ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ).

تیسرا قول : امام ابو حنیفہ، امام احمد امام اسحاق کا ہے ان کے نزدیک تشہد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول کلمات کا پڑھنا افضل ہے ۔

دلیل : عن عبد اللّٰه ابن مسعود اخذت التشهد من فی رسول اللّٰه و لیقینها کلمة کلمة : :التَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ ، الصَّلَوَاتُ الطَّیِّبَاتُ ، السَّلَامُ عَلَیْکَ أَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ ، السَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِینَ ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ).

دلیل : اس حدیث میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تصریح فرمائی ہے کہ چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک اسی پر عمل ہے کیونکہ مہاجرین وانصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی

میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ سکھائے لیکن کسی نے انکار نہیں کیا۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اگر یہ بات ہوتی جو تم نے کہی ہے تو کوئی صحابی بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ تشہد کے خلاف تشہد نقل نہ کرتا حالانکہ اس کے خلاف متعدد صحابہ کرام کا قول و فعل منقول ہے اور ان میں سے اکثر نے سرکار دو عالم ﷺ سے روایت کیا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتے ہیں جب ہم سرکار دو عالم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تو یوں کہتے

"السلام علی اللہ السلام علی جبریل ، السلام علی میکائیل" رسول اکرم ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے تو فرمایا السلام علی اللہ نہ کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تو خود سلام ہے بلکہ یوں کہو۔" التحیات للہ والصلوت والطیبات السلام علیک ایها النبی و رحمة الله وبرکاته (آخر تک) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما ہو کر ہمیں اس طرح تشہد سکھاتے جس طرح تم بچوں کو کتاب سکھاتے ہو پھر اس تشہد ابن مسعود کا ذکر ہے، حضرت ابن عباس، ابن زبیر، ابو موسیٰ اشعری اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تشہد کے خلاف مروی ہے۔

البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات میں المبارکات کا لفظ زائد ہے۔

محدثین کے نزدیک حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت اولیٰ ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے راوی، ابو الزبیر حدیث ابن مسعود کے روایوں اعمش، منصور اور مغیرہ کے برابر نہیں اور نہ ہی وہ (ابو الزبیر) حدیث ابی موسیٰ کے راوی ابو قتادہ اور حدیث ابن عمر کے راوی ابو البشر کے برابر ہیں۔

اور اگر بعض حضرات کے بقول الفاظ کی زیادتی کے باعث حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کو اولیٰ قرار دیا جائے تو ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا

اضافہ ہے۔ لہذا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سند کی صحت کے اعتبار سے زیادہ ثابت ہے، امام طحاوی فرماتے ہیں اگر دیگر صحابہ کرام کی روایات سند کے اعتبار سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے برابر بھی ہو جائیں تب بھی یہ اولیٰ ہے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تشہد اپنی طرف سے نہیں پڑھا جا سکتا بلکہ جو الفاظ مروی ہیں وہی پڑھے جائیں اور جو کچھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس پر سب کا اتفاق ہے اور دیگر صحابہ کرام کی روایات میں اضافہ ہے اور پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے الفاظ مبارکہ کا اتنا خیال فرماتے تھے کہ اپنے شاگردوں سے اس پر قسم لیتے تو ثابت ہوا کہ تشہد حضرت ابن مسعود پر ہی عمل زیادہ بہتر ہے، امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

باب السلام في الصلوة كيف هو؟

﴿باب: نماز میں سلام کا طریقہ﴾

سوال: نماز کے آخر میں سلام کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: اس بارے میں دو قول ہیں۔

پہلا قول: امام مالک کا ہے ان کے نزدیک نماز کے آخر میں صرف ایک سلام سامنے کی طرف پھیرا جائے۔

دلیل: عَنْ سَعْدٍ (أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُسَلِّمُ فِي آخِرِ الصَّلَاةِ تَسْلِيمَةً وَاحِدَةً :السَّلَامُ عَلَيْكُمْ).

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نماز کے آخر میں صرف ایک سلام پھیرتے ہوئے ''السلام علیکم'' کے الفاظ فرماتے تھے۔

دوسرا قول: ائمہ ثلاثہ کا ہے (امام اعظم، امام احمد، امام شافعی) ان کے نزدیک دائیں اور

بائیں دونوں طرف السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ کہتے ہوئے سلام پھیرا جائے۔

دلیل : عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ، قَالَ :(كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ ، وَعَنْ شِمَالِهِ ، حَتَّى يَبْدُوَ بَيَاضُ خَدِّهِ ، السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ ، السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ)

جواب : حضرت مصعب بن ثابت راوی سے صرف محمد بن عبد العزیز دراوردی نے روایت کی ہے جب کہ حضرت مصعب بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے والے دیگر حضرات اس کی مخالفت کرتے ہیں حضرت عبد اللہ بن مبارک اور حضرت محمد بن عمرو نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے دائیں طرف بھی اور بائیں طرف بھی سلام پھیرتے رہتے کہ آپ کے رخ انور کی سفیدی ادھر سے بھی اور ادھر سے بھی نظر آتی ، اور حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ ضبط وحفظ کے لحاظ سے بلند مقام کے مالک ہیں نیز حضرت محمد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بھی انکی موافقت فرمائی ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ حضرت ابو موسیٰ ، ابن مسعود ، عمار بن یاسر ، عبد اللہ بن عمر ، جابر بن سمرہ ، براء بن عازب ، وائل بن حجر ، ابو مالک اشعری ، طلق بن علی ، اوس بن اوس (یا اوس بن ابی اوس) رضی اللہ عنہم سے رسول اکرم ﷺ اور دیگر صحابہ کرام کا عمل اسی طرح منقول ہے اگر کوئی شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک سلام کی روایت پیش کرے جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایک سلام کا ذکر ہے تو جواباً کہا جائے گا کہ کوفیوں کی ایک جماعت نماز جنازہ میں ایک ہلکا سا سلام پھیرتی ہے اور باقی نمازوں میں وہ دونوں طرف سلام پھیرتے ہیں لہذا دونوں حدیثوں پر اس طرح عمل ہوگا کہ جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دونوں طرف سلام مذکور ہے

وہاں عام نمازیں مراد ہیں اور جہاں ایک سلام کا ذکر ہے اس سے نماز جنازہ مراد ہوگا۔

لہذا جمہور کا مسلک یہی ہے کہ دونوں طرف سلام پھیرا جائے صحابہ کرام کا یہی عمل تھا، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

باب السلام فی الصلوۃ هل هو من فروضها او من سننها ؟

﴿باب: نماز میں سلام فرض ہے یا سنت؟﴾

سوال: نماز میں سلام کی کیا حیثیت ہے فرض ہے یا سنت؟

جواب: اس سلسلے میں تین قول ہیں۔

پہلا قول: امام شافعی، امام مالک، امام احمد کا ہے کہ سلام فرض ہے لہذا جو شخص سلام کے بغیر نماز سے باہر آئے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

دلیل: عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (: مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ ، وَإِحْرَامُهَا التَّكْبِيرُ ، وَإِحْلَالُهَا التَّسْلِيمُ).

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا نماز کی چابی، طہارت ہے، اس کا احرام تکبیر اور اس کا حلال (باہر لانے والا) سلام پھیرنا ہے۔

دوسرا قول :: سعید بن مسیب اور حسن بصری کا ہے کہ سلام پھیرنا فرض نہیں صرف تشہد کے مقدار بیٹھنے سے نماز مکمل ہو جاتی ہے اگرچہ سلام نہ پھیرا۔

دلیل : عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ :إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ آخِرِ السُّجُودِ ، فَقَدْ مَضَتْ صَلَاتُهُ إِذَا هُوَ أَحْدَثَ).

نوٹ : دوسرے دو گروہ پہلے گروہ کی پیش کردہ روایت کا جواب یوں دیتے ہیں کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ جب نمازی آخری سجدے سے سر اٹھالے تو اس کی نماز مکمل

ہوگئی لہذا معلوم ہوا کہ ''احلالھا التسلیم'' کا مطلب وہ نہیں جو پہلے گروہ کی مراد ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ نماز تو پہلے ہی مکمل ہو چکی اب نماز سے باہر آنے کے لیے لفظ سلام استعمال کیا جائے۔

اگر کہا جائے کہ حدیث شریف میں ''واحرامھا التکبیر'' کے الفاظ بھی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ تکبیر کے بغیر نماز شروع نہیں ہوتی تو سلام کے بارے میں بھی یہی حکم ہونا چاہیے اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ہم دیکھتے کسی کام کو شروع کرنے کے لیے وہی الفاظ استعمال کرنا ضروری ہیں جن کا حکم دیا گیا، لیکن اس سے باہر آنے کے لیے مامور بہ اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً جو عورت عدت گزار رہی ہو اس سے نکاح کرنا منع ہے اور اگر کرلیا تو نافذ نہیں ہوگا اسی طرح جو عورت طہارت کی حالت میں نہ ہو (حائضہ ہو) اسے اس حالت میں طلاق دینا منع ہے لیکن اگر کسی نے اس حالت میں طلاق دے دی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگرچہ وہ گناہ گار ہوگا، یہی صورت نماز کی ہے کہ اسکا آغاز تکبیر کے سوا نہیں ہوسکتا۔ لیکن باہر آنے کے لیے کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جائے نماز فاسد نہ ہوگی۔

تیسرا قول : امام ابوحنیفہ اور امام اسحاق کا ہے کہ سلام پھیرنا فرض نہیں، البتہ قعدہ آخرہ بقدر تشہد فرض ہے۔

دلیل: أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَخَذَ بِيَدِهِ ، وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ بِيَدِهِ وَعَلَّمَهُ التَّشَهُّدَ ، فَذَكَرَ التَّشَهُّدَ عَلَى مَا ذَكَرْنَا عَنْ عَبْدِ اللَّهِ فِي بَابِ التَّشَهُّدِ . وَقَالَ : فَإِذَا فَعَلْتَ ذَلِكَ ، أَوْ قَضَيْتَ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ ، إِنْ شِئْتَ أَنْ تَقُومَ فَقُمْ ، وَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَقْعُدَ فَاقْعُدْ).

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں تشہد سکھایا اور فرمایا جب تم نے یہ پڑھ لیا اسے پورا کرلیا تو تمہاری نماز

مکمل ہوگئی اگر اٹھنا چاہو تو اٹھ جاؤ اور اگر بیٹھنا چاہو تو بیٹھے رہو، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تشہد سے نماز مکمل ہو جاتی ہے سلام پھیرنا اس کا اعلان ہے۔

جن لوگوں کے نزدیک آخری سجدے سے سر اٹھاتے ہی نماز مکمل ہو جاتی ہے ان کی پیش کردہ روایت میں اختلاف ہے کہیں یہ ہے کہ جب وہ آخری سجدے سے سر اٹھائے اور بے وضو ہو جائے تو اس کی نماز مکمل ہو گی کہیں اس طرح ہے کہ جب امام نماز مکمل کر کے بیٹھے اور سلام پھیرنے سے پہلے وہ ان لوگوں میں کوئی ایک بے وضو ہو جائے جن کے ساتھ وہ نماز مکمل کر رہا ہے تو نماز مکمل ہوگئی لوٹانے کی ضرورت نہیں، اور یہ بھی ہے کہ جب نمازی نماز کے آخر (آخری سجدے) سے سر اٹھائے اور تشہد پورا کرے تو اس کی نماز مکمل ہوگئی اسے نہ لوٹائے۔

دلیل نظر: اسی طرح کی دیگر روایات بھی مروی ہیں قیاس بھی اسی بات کی تائید کرتا ہے کیونکہ پہلا قعدہ بھول کر کھڑے ہونے والے شخص کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا جاتا، جبکہ آخری قعدہ بھول کر کھڑا ہو جائے تو سجدے سے پہلے پہلے جب یاد آئے بیٹھ جائے معلوم ہوا یہ فرض (واجب) ہے لہذا اس کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوگی امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

باب الوتر

﴿باب: وتر﴾

سوال: وتر کی رکعات کی تعداد کیا ہے ایک رکعت یا تین؟

جواب: وتروں کے بارے میں تین قسم کے اقوال ہیں۔

پہلا قول: امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق، امام عطاء بن ابی رباح، سعید بن مسیب کا ہے ان کے نزدیک وتر صرف ایک رکعت ہے۔

دلیل: عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: (اَلْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِنْ

آخِرِ اللَّيْلِ)۔

حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا وتر، رات کے آخر میں ایک رکعت ہے۔

دوسرا قول: امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد کا ہے ان کے نزدیک وتر تین رکعتیں ہیں۔

دلیل: عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا (أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوتِرُ بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ

دلیل: عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: (كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتِرُ بِثَلَاثٍ، يَقْرَأُ فِي الْأُولَى بِ سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَفِي الثَّانِيَةِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ)۔

تیسرا قول: امام مالک کا ہے ان کے نزدیک دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا جائے، اور پھر ایک رکعت پڑھی جائے گی جب یہ مکمل ہو جائے تو پھر سلام پھیرا جائے گا۔

دلیل: عن نافع ان عمر ابن عمر كان يسلم بين الركعة والركعتين في الوتر حتى يأمر ببعض حاجة، وأخبر ابن عمر ان النبي ﷺ كان يفعل ذلك.

جواب: یہ حضرات پہلے گروہ کے استدلال کا یوں جواب دیتے ہیں "وتر ایک رکعت ہے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے سے پہلے جوڑا جوڑا نماز کو وتر (طاق) بنا دیتی ہے یہ مطلب نہیں کہ ایک رکعت نماز ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے ایسی نماز سے منع فرمایا، نیز آپ نے فرمایا نماز دو دو رکعتیں ہیں سرکار دو عالم ﷺ کا فرمانا کہ جو شخص چاہے پانچ یا سات رکعتوں کے ساتھ وتر پڑھے ایک روایت میں تین کا ذکر ہے اور جس سے نہ ہو سکے وہ ایک رکعت کے ساتھ ادا کرے تو ممکن ہے یہ تین وتروں کے حکم سے پہلے کی بات ہو اس وقت انہیں اختیار تھا کہ جیسے چاہیں پڑھیں پھر رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امت کا اس کے خلاف پر اجماع ہو گیا تو یہ فسخ کی دلیل ہے۔ حضرت عروہ، حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ پانچ رکعتیں پڑھتے اور صرف ان کے آخر میں سلام پھیرتے اور ان میں قعدہ نہ کرتے اسے ہشام نے اپنے والد سے انہوں نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے لیکن وہ اس میں منفرد ہیں حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے جو عام راویوں نے روایت کیا وہ اس کے خلاف ہے لہذا اکثر پر اعتماد کیا جائے۔

نیز حضرت عروہ نے ہی حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے اس کے خلاف بھی روایت کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ گیارہ رکعات پڑھتے اور ہر دو دو رکعتوں کے درمیان بیٹھتے اور ایک رکعت کے ساتھ وتر بناتے ایک روایت میں ان ہی سے تیرہ رکعات کا ذکر ہے پس یہ حدیث مضطرب ہے اور وہ جو حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''وتر ایک رکعت ہے تو ان دونوں حضرات سے وتروں کی تین رکعات بھی مروی ہیں لہذا تاویل ضروری ہے، حضرت سعد، حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وتروں کی دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے تو جن حضرات نے ان سے ایک رکعت نقل کی ہے ان کی اکثریت نے ان سے تین رکعات کی روایت بھی کی ہے، وتروں کے تین رکعات ہونے سے متعلق احادیث حد تواتر کو پہنچتی ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ انہوں نے نمازِ فجر سے پہلے اور طلوع آفتاب کے وقت تین رکعات وتر قضا کیے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے وتروں کی دو رکعتوں کے بعد سلام اور گفتگو ثابت ہے اور وہ اس کے بعد ایک رکعت پڑھتے تھے لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے دو رکعتوں پر سلام پھیرنے والے کے خلاف مروی ہے حضرت عمر فاروق،

انس اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے سلام نہ پھیرنا بھی ثابت ہے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مدینہ طیبہ کے اکثر علماء وفقہاء نے اس بات پر اجماع کیا کہ وتر تین رکعات ہیں اور صرف ان کے آخر میں سلام پھیرا جائے۔

قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ جب فرض نماز میں دو رکعتوں پر نہیں بلکہ نماز کے آخر میں سلام پھیرا جاتا ہے تو یہاں بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔

……☆……☆……☆……

القرائة فی رکعتی الفجر

﴿باب: فجر کی سنتوں میں قراءت﴾

سوال: کیا فجر سنتوں میں قراءت ہے یا نہیں؟

جوب: اس بارے میں تین اقوال ہیں۔

پہلا قول: اہل ظواہر کا ہے ان کے نزدیک فجر کی دو رکعتوں (سنتوں) میں قراءت نہیں۔

دلیل: عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ حَفْصَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَخْبَرَتْهُ (أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ مِنَ الْأَذَانِ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ أَوِ النِّدَاءِ بِالصُّبْحِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ تُقَامَ الصَّلَاةُ).

دوسرا قول: امام مالک کا ہے ان کے نزدیک فجر کی سنتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھی جائے گی۔

دلیل: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ :(كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ حَتَّى أَقُولَ هَلْ قَرَأَ فِيهِمَا بِأُمِّ الْكِتَابِ) ؟

دلیل ۲: حضرت جعفر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جب موذن صبح کی اذان سے فارغ

ہوتا تو آپ (فرض) نماز کے ساتھ کھڑے ہونے سے پہلے وہ ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھتے...... اس سے استدلال کرتے ہوئے بعض نے کہا کہ آپ بالکل قراءت نہیں کرتے تھے اور بعض نے کہا کہ صرف سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی اسی قسم کی روایت مروی ہے۔

تیسرا قول: ائمہ ثلاثہ (امام اعظم، امام شافعی امام احمد) کا ہے ان کے نزدیک فجر کی سنتوں میں سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کسی دوسری سورت کا پڑھنا ضروری ہے۔

دلیل: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا قَالَتْ (كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخْفِي مَا يَقْرَأُ فِيهِمَا وَذَكَرَتْ (قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ) وَ (قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ).

حضرت عائشہ، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر عبداللہ بن عباس، ابو ہریرہ انس بن مالک اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے مروی روایات ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ ان دو رکعتوں میں سورۃ کافرون، سورہ اخلاص اور دیگر آیات پڑھتے تھے، بلکہ سرکار دو عالم ﷺ سے نماز میں طویل قیام کی فضیلت مروی ہے اور آپ سے فجر کی دو سنتوں کی عظمت بھی منقول ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ فجر کی دو رکعتوں میں طویل قیام کو ترک کیا جاتا۔

......☆......☆......☆......

باب الرکعتین بعد العصر

﴿باب: عصر کے بعد دو رکعتیں﴾

سوال: عصر کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھی جا سکتی ہیں یا نہیں؟

جواب: اس بارے میں دو قول ہیں۔

پہلا قول: امام شافعی، امام احمد، ظاہریہ کا ہے ان کے نزدیک عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنا سنت ہے۔

دلیل: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا أَنَّهَا قَالَتْ: مَا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي يَكُونُ عِنْدِي فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ ہمیشہ عصر کی دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

دوسرا قول : امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا ہے ان کے نزدیک عصر کے بعد نوافل پڑھنا جائز نہیں۔

دلیل: عَنْ عَائِشَةَ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهَا (أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ صَلاةٍ بَعْدَ الصُّبْحِ ، حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ، وَعَنْ صَلَاةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ).

یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد غروبِ آفتاب تک (نفل) نماز پڑھنے سے منع فرمایا، حضرت عمر فاروق، علی المرتضی، عائشہ صدیقہ، معاذ بن عفراء ابو سعید خدری، عبد اللہ بن عمر، معاویہ بن سفیان اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے اسی طرح مروی ہے۔

جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا تعلق ہے تو درحقیقت یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کیونکہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس سلسلے میں پوچھا گیا تو انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرمایا حضرت ام سلمہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ سرکار دو عالم ﷺ ایک بار بنو تمیم کا وفد آنے کی وجہ سے ظہر کے بعد کی دو رکعتیں نہ پڑھ سکے اور انہیں عصر کے بعد قضا کیا لیکن آپ نے دوسروں کو ایسے کرنے سے منع فرما دیا۔

کامیابی کی شدید خواہش اور تڑپ کے بغیر کوئی بھی

قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی۔

بابُ الرجل یصلی بالرجلین این یقیمھما؟

﴿باب: امام کے ساتھ دو نمازی ہوں تو وہ کہاں کھڑے ہوں﴾

سوال: امام کے ساتھ دو نمازی ہوں تو وہ کہاں کھڑے ہوں؟

جواب: اس بارے میں دو قول ہیں۔

پہلا قول: امام ابو یوسف کا ہے ان کے نزدیک اگر امام کے علاوہ صرف دو آدمی ہوں تو امام کے دائیں بائیں کھڑے ہوں، اور یہ بھی جائز ہے کہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔

دلیل: ، عَنْ (عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ صَلَّى بِعَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ فَجَعَلَ أَحَدَهُمَا عَنْ يَمِينِهِ ، وَالْآخَرَ عَنْ شِمَالِهِ ، قَالَ ثُمَّ رَكَعْنَا فَوَضَعْنَا أَيْدِيَنَا عَلَى رُكَبِنَا ، فَضَرَبَ أَيْدِيَنَا بِيَدِهِ وَطَبَّقَ ، فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ :هٰكَذَا فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ).

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن اسود اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور میرے چچا مقام ہاجرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے انہوں نے نماز پڑھاتے ہوئے ایک کو دائیں اور دوسرے کو بائیں طرف کھڑا کیا اور فرمایا جب (کل) تین نمازی ہوں تو نبی اکرم ﷺ اسی طرح کرتے۔

دوسرا قول: امام اعظم، امام محمد کا ہے ان کے نزدیک یہ ہے کہ اگر امام کے علاوہ دو آدمی ہوں تو وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔

دلیل۱: قَالَ أَنَسٌ :فَقُمْتُ إِلَى حَصِيرٍ لَنَا قَدْ اسْوَدَّ مِنْ طُولِ مَا لُبِسَ فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ ، فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَفْتُ أَنَا وَالْيَتِيمُ وَرَاءَهُ ، وَالْعَجُوزُ مِنْ وَرَائِنَا ، فَصَلَّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ)

دلیل ۲: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا تو آپ نماز پڑھ رہے تھے میں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا آپ نے مجھے ہاتھ سے پکڑ کر دائیں طرف پھیر دیا، پھر حضرت جبار ابن صخر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور آپ کی بائیں جانب کھڑے ہو گئے تو آپ نے ہم دونوں کو ہاتھ سے اپنے پیچھے کر دیا...... حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کا سرکار دو عالم ﷺ کے وصال کے بعد بھی یہی عمل تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل بھی یہی تھا۔

نظر طحاوی: قیاس کے ذریعے بھی اس دوسرے موقف کو ترجیح حاصل ہوتی ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں ایک نمازی ہو تو وہ امام کی دائیں جانب کھڑا ہوتا ہے جب کہ دو سے زیادہ نمازی امام کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ دو کے بارے کیا حکم ہوگا۔ تو سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا دو اور اس سے زائد جماعت ہے۔

وراثت کے سلسلے میں بھی دو کا حکم وہی ہے جو جمع کا ہے مثلاً ماں کی طرف سے بھائی یا بہن کو چھٹا حصہ ملتا ہے اور اگر وہ تین ہو تو تیسرا حصہ ملے گا اسی طرح دو کو بھی تیسرا حصہ ہی ملتا ہے۔

بنا بریں یہاں دو نمازیوں کو جمع پر قیاس کرتے ہوئے امام کے پیچھے کھڑے ہونے کا حکم دیا جاتا ہے، حضرت امام ابو حنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

مثبت رویہ ذہنی کامیابی کی بنیاد ہے

ہم اپنے ذہنی رویے کو بدل کر اپنی زندگی بدل سکتے ہیں۔

باب صلوۃ الخوف

﴿باب: نمازِ خوف کا طریقہ﴾

سوال : صلوۃ الخوف کی کتنی رکعتیں فرض ہیں؟

جواب : اس بارے میں دو قول ہیں۔

پہلا قول : بعض کے نزدیک نمازِ خوف ایک رکعت ہے۔

دلیل: یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر حالتِ اقامت میں چار، سفر میں دو اور خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض کی ہے۔

دوسرا قول : چار رکعت فرض ہیں پڑھنے کے انداز میں فرق ہے۔

سوال : صلوۃ الخوف کس طرح پڑھی جائے گی؟

جواب : صلوۃ الخوف کے بارے میں اقوال۔

پہلا قول : امام اسحاق کے نزدیک صلوۃ الخوف امام کے لئے دو رکعت اور مقتدی کے لئے ایک رکعت ہے، امام پہلے ایک گروہ کو نماز پڑھائے گا اور دوسرا گروہ اس وقت دشمن کے سامنے ہوگا پھر امام دوسرے گروہ کو نماز پڑھائے گا اور پہلا گروہ دشمن کے سامنے ہوگا۔

دلیل : عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :(فَرَضَ اللّٰهُ -عَزَّ وَجَلَّ- عَلَى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعًا فِي الْحَضَرِ ، وَرَكْعَتَيْنِ فِي السَّفَرِ ، وَرَكْعَةً فِي الْخَوْفِ).

دلیل : أَنَّ اللّٰهَ -عَزَّ وَجَلَّ- قَالَ :(وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ

وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ) فَفَرَضَ اللّٰهُ -عَزَّ وَجَلَّ- صَلَاةَ الْخَوْفِ ، وَنَصَّ فَرْضَهَا فِي كِتَابِهِ هٰكَذَا .

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ. قال رسول الله ﷺ بذی قرد صَلَاةِ الْخَوْفِ والمشركون بينه و بين القبلة ، فَصَفَّ صَفًّا خَلْفَهُ ، وَصَفًّا مُوَازِيَ الْعَدُوِّ ، فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَةً ، ثُمَّ ذَهَبَ هٰؤُلَاءِ إِلَى مَصَافِّ هٰؤُلَاءِ ، وَجَاءَ هٰؤُلَاءِ إِلَى مَصَافِّ هٰؤُلَاءِ ، فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَةً ، ثُمَّ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ . فَكَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَانِ وَلِكُلِّ طائفة ركعة.

دوسرا قول : امام اعظم اور امام محمد کا ہے ان کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں دو دو رکعت پڑھیں گے، امام ایک گروہ کو نماز پڑھائے گا اور دوسرا دشمن کے سامنے ہوگا پھر پہلا دشمن کے سامنے ہوگا اور دوسرا امام کے ساتھ نماز پڑھے گا اور اس طرح ہر گروہ ایک ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھے گا اور ایک ایک اپنی الگ سے پوری کرے گا اور امام اپنی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے گا۔

دلیل : عن ابن عمر قال : رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْخَوْفِ فِي بَعْضِ أَيَّامِهِ فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَهُ وَطَائِفَةٌ مِنْهُمْ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْعَدُوِّ فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَةً ، ثُمَّ ذَهَبَ هٰؤُلَاءِ إِلَى مَصَافِّ هٰؤُلَاءِ ، وَجَاءَ هٰؤُلَاءِ إِلَى مَصَافِّ هٰؤُلَاءِ ، فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَةً ، ثُمَّ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ، ثُمَّ قَضَتْ الطَّائِفَتَانِ رَكْعَةً رَكْعَةً).

تیسرا قول : امام شافعی اور امام احمد کا ہے ان کے نزدیک یہ ہے کہ امام ایک گروہ کو نماز پڑھائے گا اور اس کے نماز مکمل کرنے کا انتظار کرے گا جب یہ گروہ نماز پڑھ کر چلا جائے اب دوسرا گروہ جو دشمن کے سامنے تھا وہ آئے گا اور امام کے ساتھ نماز پڑھے گا۔ امام اس کو بھی ایک رکعت

پڑھانے کے بعد انتظار کرے گا جب یہ گروہ نماز مکمل کر لے اب امام اس کے ساتھ سلام پھیرے گا۔

دلیل : عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ (عَمَّنْ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ صَلَاةَ الْخَوْفِ أَنَّ طَائِفَةً صَفَّتْ مَعَهُ وَطَائِفَةٌ وِجَاهَ الْعَدُوِّ فَصَلَّى بِالَّذِينَ مَعَهُ رَكْعَةً ثُمَّ ثَبَتَ قَائِمًا وَأَتَمُّوا لِأَنْفُسِهِمْ ثُمَّ انْصَرَفُوا فَصَفُّوا وِجَاهَ الْعَدُوِّ ، وَجَاءَتْ الطَّائِفَةُ الْأُخْرَى فَصَلَّى بِهِمْ الرَّكْعَةَ الَّتِي بَقِيَتْ مِنْ صَلَاتِهِ ثُمَّ ثَبَتَ جَالِسًا ، وَأَتَمُّوا لِأَنْفُسِهِمْ ، ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ)

چوتھا قول : امام مالک کا ہے ان کے نزدیک یہ ہے کہ امام شافعی کے قول کی طرح امام ایک گروہ کو نماز پڑھائے گا اور اس کے نماز مکمل کرنے کا انتظار کرے گا جب یہ گروہ نماز پڑھ کر چلا جائے اب دوسرا گروہ جو دشمن کے سامنے تھا وہ آئے گا اور امام کے ساتھ نماز پڑھے گا۔ امام اس کو ایک رکعت پڑھانے کے بعد سلام پھیر دے گا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان کے مطابق امام دوسرے روہ کی نماز مکمل ہو جانے کا انتظار نہیں کرے گا بلکہ امام اپنی نماز مکمل کر کے سلام پھیر دے گا۔

دلیل : أَنَّ سَهْلَ بْنَ أَبِي حَثْمَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ صَلَاةَ الْخَوْفِ فَذَكَرَ نَحْوَهُ ، وَلَمْ يَذْكُرْهُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَادَ فِي ذِكْرِ الْآخِرَةِ قَالَ (فَيَرْكَعُ بِهِمْ وَيَسْجُدُ ثُمَّ يُسَلِّمُ ، فَيَقُومُونَ فَيَرْكَعُونَ لِأَنْفُسِهِمْ الرَّكْعَةَ الْبَاقِيَةَ ثُمَّ يُسَلِّمُونَ).

پانچواں قول : بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام کے ساتھ ایک طائفہ ہو اور دوسرا طائفہ دشمن کے سامنے ہو۔ امام کے ساتھ دونوں گروہ تکبیر تحریمہ میں شریک ہوں گے پھر اماماپنے ساتھ کھڑے ہوئے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے گا اور وہ پہلی رکعت مکمل کر کے کھڑے ہو جائیں گے ، پھر دوسرا گروہ دشمن کے سامنے آجائے گا اور دوسرا گروہ ایک رکعت خود پڑھ لے گا جبکہ امام کھڑا

رہے گا۔ پھر امام ان کو دوسری رکعت پڑھائے گا۔ اس کے بعد پہلا گروہ بھی آ کر اپنی دوسری رکعت مکمل کرے گا جب تک دوسرا گروہ بیٹھا رہے گا اس کے بعد امام دونوں گروہون کو سلام پھرائے گا۔

دلیل : عن ابی هريرة. رضی الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ قام رسول الله ﷺ سو قامت معه طائفة و طائفة اخرى، مقابلو العدو وظهورهم الى القبلة، فكبر رسول الله ﷺ فكبرو اجميعاً، فصلى بمن خلفه ركعة و سجد بهم سجدتين، ثم قام و قاموا معه، فذهب الذين خلفه الى العدو فقابلوهم و اقبلت الطائفة المقابلة العدو فركعوا و سجدوا و رسول الله ﷺ قائم كماهو، ثم قاموا فصلى بهم رسول الله ﷺ ركعه اخرى، فجاء الذى بازاء العد فصلوا لانفسهم ركعة، ورسول الله ﷺ قاعدو من معه. چم جلسوا كلف رسول الله ﷺ فسلم بهم جميعاً.

لیکن جمہور کے نزدیک یہ بات صحیح نہیں کیونکہ قرآن پاک میں ہے "اور جب آپ ان میں تشریف فرما ہوں اور ان کے لیے نماز قائم کریں تو ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہوا نہیں چاہیے کہ اپنا اسلحہ پکڑے رکھیں جب وہ سجدہ کر لیں تو وہ آپ کے پیچھے سے چلے جائیں اور دوسرا گروہ جس نے نماز نہیں پڑھی جائے، پس وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں۔

اس آیتِ کریمہ کے مطابق امام حالتِ خوف میں دو رکعتیں پڑھے گا اور چونکہ یہ اس حدیث کے خلاف ہے لہذا قرآن پاک پر عمل ہوگا اور اس کے مقابل حدیث کو چھوڑ دیا جائے گا۔

پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حضرت مجاہد کے علاوہ جن لوگوں نے روایت کیا نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ صحابہ کرام سے بھی اس نص قرآنی کی طرح مروی ہے۔

اور یہ بات محال ہے کہ امام دو رکعتیں پڑھے اور مقتدی ایک رکعت لہذا امام اور مقتدی دونوں پر دو دو رکعتیں لازم ہیں، حضرت ابن عباس، جابر اور زید رضی اللہ عنہم سے ایک ایک رکعت کی قضا مروی ہے لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق دونوں گروہ ایک ہی وقت نماز شروع نہ کریں، قرآن پاک سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر وہ گروہ آئے جس نے نماز نہیں پڑھی، اسی طرح دوسرا گروہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھنے کے بعد دوسری رکعت امام سے پہلے نہ پڑھے تا کہ امام سے پہلے مقتدی کا اپنی نماز پورا کرنا لازم نہ آئے اور نہ ہی امام دو مرتبہ ایک نماز ادا کرے کیونکہ دو مرتبہ نماز پڑھنا منسوخ ہو چکا ہے۔

پھر حضرت جابر اور ابو عیاش رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ اگر دشمن قبلہ کی جانب ہو تو دونوں گروہ امام کے ساتھ تکبیر کہیں پھر پہلا گروہ امام کے ساتھ سجدہ کرے اس کے بعد وہ ہٹ جائیں اور دوسرا گروہ سجدہ کرے اسی طرح کریں حتی کہ اکٹھے سلام پھیریں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اسی طرح ہے لیکن طرفین کے نزدیک دونوں گروہ باری باری آئیں۔

باب الرجل یکون فی الحرب فتحضرہ الصلاۃ و ھو راکب ھل یصلی ام لا؟

﴿باب: حالتِ جنگ میں سوار کا سواری پر بیٹھنا﴾

سوال: کیا حالتِ جنگ میں سوار کا سواری پر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب: **اس بارے میں دو اقوال ہیں۔**

پہلا قول: ابن ابی لیلی اور حسن بن حی کا ہے ان کے نزدیک سواری پر نماز پڑھنا قطعاً جائز نہیں اگر چہ وہ ایسی حالت میں ہو کہ سواری سے اتر نہ سکتا ہو۔

دلیل: یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ غزوۂ خندق کے دن عصر کی نماز ادا نہ کر سکے حتی کہ سورج

غروب ہوگیا۔

دوسرا قول : امام احمد، امام مالک، اور ائمہ احناف بھی شامل ہیں ان کے نزدیک اگر سوار لڑ رہا ہوتو سواری پر نماز نہ پڑھے اور اگر لڑائی میں مصروف نہ ہو اور اترنا بھی ممکن نہ ہو تو سواری پر پڑھ سکتا ہے جہاں تک سرکار دو عالم ﷺ کے غزوۂ خندق کے دن نماز نہ پڑھنے کا تعلق تو ممکن ہے آپ لڑائی میں مصروف ہوں اور یہ عمل ہے جو دورانِ نماز جائز نہیں ہوسکتا ہے ان دنوں سواری کی حالت میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ ہو تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے واضح ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کا نماز چھوڑنا اس بنیاد پر تھا کہ سواری کی حالت میں نماز مباح نہ تھی اور اس سلسلے میں آیتِ کریمہ "فرجالاً اور رکباناً" بعد میں نازل ہوئی اب حالتِ جنگ میں سواری سے اترنا ممکن نہ ہو تو اشارے سے نماز پڑھنا جائز ہے اس طرح زمین پر ہو لیکن کھڑے ہونے کی صورت میں درندے یا کسی انسان کی طرف سے قتل کا خوف ہو تو بیٹھ کر اشارے سے پڑھ سکتا ہے۔

......☆......☆......☆......

باب الاستسقاء كيف هو وهل فيه الصلاة ام لا؟

﴿باب: کیا استسقاء کی نماز ہے؟﴾

سوال : طلب بارش کے لیے صرف دعا مانگی جائے یا نماز بھی پڑھی جائے اگر نماز پڑھی جائے تو قراءت بلند آواز سے ہو یا آہستہ؟ خطبہ پڑھا جائے یا نہ؟

جواب : استسقاء سے مراد "اللہ تعالی سے قحط سالی ختم کرنے اور باران رحمت نازل فرمانے کی دعا کرنا" ہے۔

پہلا قول : جس میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ہیں کے نزدیک استفسقاء کے لیے صرف دعا ہے نماز نہیں۔

دلیل: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وہ طویل روایت ہے کہ جمعہ کے دن ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! مال ہلاک ہوگئے اور راستے ٹوٹ گئے بارش کے لیے دعا کیجئے تو آپ نے دعا فرمائی حتی کہ مسلسل ایک ہفتہ بارش رہی، حصرت کعب بن مرہ یا مرہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

امام ابو یوسف اور دیگر فقہاء کرام کے نزدیک استسقاء کے لیے دو رکعتیں نماز پڑھی جائیں اور اس میں بلند آواز سے قراءت کی جائے اور عید کی نماز کے بعد خطبہ بھی دیا جائے اس سلسلے میں انہوں نے حضرت عبداللہ بن زید، عباد بن تمیم کے چچا، عبداللہ بن عباس، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی مختلف روایات میں استسقاء کے لیے نماز، اس میں جہری قراءت، چادر الٹانے اور خطبہ کا ذکر کیا ہے،

امام طحاوی فرماتے ہیں جس طرح مخصوص دنوں میں پڑھی جانے والی نمازوں یعنی جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں بلند آواز سے قراءت ہے، نماز استسقاء میں بھی قراءت جہری ہو اور چونکہ عیدین کی طرح استسقاء کا خطبہ ضروری نہیں لہذا نماز کے بعد ہوگا، پہلے گروہ کی پیش کردہ روایت کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ میں اس میں اگر چہ دعا مانگنے کا ذکر ہے لیکن نماز کی نفی نہیں ہے یوں اس سلسلے میں مروی تمام روایات پر عمل ہوسکتا ہے۔

باب صلاۃ الکسوف کیف ھی؟

﴿باب: سورج گرہن کی نماز﴾

سوال : سورج گرہن کی نماز (نمازِ کسوف) میں کتنے رکوع ہیں؟

جواب : اس سلسلے میں پانچ مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب : یہ کہ ایک رکعت میں دو رکوع ہیں جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

دوسرا مذہب : یہ کہ ہر رکعت میں چار رکوع ہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

تیسرا مذہب: یہ ہے کہ ہر رکعت میں تین رکوع ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح مروی ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عمل یہی تھا۔

چوتھا مذہب : یہ ہے کہ کوئی تعداد مقرر نہیں جب تک سورج روشن نہ ہو جائے، رکوع اور سجدہ کرتے رہیں، حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

پانچواں مذہب: یہ ہے کہ یہ نماز بھی دوسری نمازوں کی طرح ہے، ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ہیں، حضرت قبیصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی اس طرح روایت کیا ہے حضرت عبداللہ بن عمرو، علی المرتضیٰ، سمرہ ابوالحیرہ، نعمان اور مغیرہ رضی اللہ عنہم نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے، وہ فرماتے ہیں عام نمازوں کی طرح دو رکعتیں پڑھ کر دعا و استغفار میں مشغول ہو جائیں حتیٰ کہ سورج روشن ہو جائے۔

لہذا نماز کو طویل کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں مختصر پڑھنا چاہیں تو ایسا بھی کر سکتے ہیں لیکن رکوع و سجود کی تعداد وہی ہے جو عام نمازوں میں ہے۔

مختلف روایات میں جو ایک رکعت میں دو یا تین یا چار رکوع بیان ہوئے ہیں، درحقیقت نماز کی طوالت کے باعث ان حضرات پر اصل حقیقت واضح نہ ہو سکی۔

قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کیونکہ جب تمام فرض اور نفل نمازوں کی ہر رکعت میں ایک رکوع ہے تو یہاں بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔

باب القرءۃ فی صلاۃ الکسوف کیف ھی؟

﴿باب...... سورج گرہن کی نماز میں قرائت کیسے ہو؟﴾

سوال: نماز کسوف میں قرآن پاک بلند آواز سے پڑھا جائے، یا آہستہ؟

جواب: اس بارے میں دو مذاھب ھیں۔

پھلا مذھب: جس میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی شامل ہیں کے نزدیک آہستہ قراءت کی جائے۔

دلیل: حضرت ابن عباس اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے ہمیں نماز کسوف پڑھائی تو ہم نے آپ سے کوئی آواز نہ سنی۔

دوسرا مذھب: جس میں حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ بھی شامل ہیں کے نزدیک نماز کسوف میں جہری قراءت ہے۔

دلیل: یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اکرم ﷺ نے نماز کسوف میں بلند آواز سے قراءت فرمائی۔

قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ دن کی نمازیں دو قسم کی ہیں، بعض وہ ہیں جو ہمیشہ پڑھی جاتی ہیں، مثلاً ظہر و عصر تو ان میں قراءت آہستہ ہوتی ہے اور بعض نمازیں کبھی کبھی ہوتی ہیں جیسے جمعہ اور عیدین کی نمازیں ہیں ان میں جہری قراءت ہے تو نماز کسوف چونکہ کبھی کبھی پائی جاتی ہے لہذا اس میں جہری قراءت ہوگی۔

جہاں تک حضرت ابن عباس اور سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کا تعلق ہے تو وہ اپنی جگہ صحیح ہے لیکن ہوسکتا ہے انہوں نے دور ہونے کی وجہ سے قراءت نہ سنی ہو۔

باب التطوع باللیل والنھار کیف ھو؟

﴿باب: رات اور دن کے نوافل﴾

سوال : دن اور رات کے نوافل میں ایک نیت کے ساتھ کتنی رکعتیں پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: اس بارے میں چار اقوال ہیں۔

پہلا قول : امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک رات ہو یا دن ایک سلام کے ساتھ صرف دو رکعتیں پڑھی جا سکتی ہیں،

دلیل : حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، اور شاید یہ مرفوع روایت ہے کہ رات اور دن کی نماز دو رکعتیں ہیں حضرت عمری نے بھی بواسطہ حضرت نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

دوسرا قول : امام اعظم ابو حنیفہ، اور سفیان ثوری کے نزدیک دن کے وقت چار رکعات تک اور رات کو آٹھ رکعات تک نوافل ایک سلام سے پڑھے جا سکتے ہیں۔

نوٹ : دن کے نوافل میں تو تینوں حنفی آئمہ متفق ہیں البتہ رات کے نوافل میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا جائے۔

دلیل : حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ رات کو گیارہ رکعات پڑھتے جن میں سے تین وتر اور آٹھ نفل ہوتے زوال شمس کے بعد بھی آپ چار رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھتے تھے جمعہ کے بعد عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے بعد بھی چار رکعات ایک سلام کے ساتھ ادا فرمائے۔

نوٹ : جہاں تک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے رات اور دن میں دو دو رکعتوں سے متعلق روایت کا تعلق ہے تو آپ ہی کا عمل دن کی چار رکعات سے متعلق مروی ہے۔ لہذا اس پہلی

روایت کا اعتبار نہ رہا اور اس کا فساد ظاہر ہو گیا۔

باب التطوع بعد الجمعة كيف هو؟

﴿باب ...... جمعہ کے بعد کے نوافل (سنتیں)﴾

سوال: جمعۃ المبارک کے بعد کے نوافل (سنتوں) کی تعداد کیا ہے؟

جواب: جمعۃ المبارک کی (فرض) نماز کے بعد نوافل (سنتوں) کی تعداد میں اختلاف ہے۔

پہلا مذہب: امام اعظم ابو حنیفہ، امام محمد اور امام اسحاق رحمہم اللہ کے نزدیک نماز جمعہ کے بعد چار سنتیں ہیں۔

دلیل: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص جمعہ کے بعد نماز پڑھنا چاہے وہ چار رکعتیں ادا کرے،

دوسرا قول: امام احمد اور امام مالک کے نزدیک نماز جمعۃ کے بعد دو رکعتیں ہیں اور ایک جماعت جن میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ بھی شامل ہیں کے نزدیک چھ رکعات ہیں۔

دلیل: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت پیش کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے بعد گھر میں دو رکعتیں ادا فرماتے تھے۔

تیسرا قول: امام شافعی اور امام ابو یوسف کے نزدیک نماز جمعہ کے بعد چھ رکعت مسنون ہیں۔

دلیل: یہ حضرت عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہے وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھی تو آپ نے اس کے بعد پہلے دو اور پھر چار رکعات ادا کیں، حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے تو ہو سکتا ہے سرکار دو عالم ﷺ پہلے چار رکعات پڑھتے ہوں اور پھر دو رکعتوں کا اضافہ فرمایا البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے چار رکعات پڑھی جائیں پھر دو رکعتیں تا کہ جمعہ کے بعد اس کی مثل نماز نہ پڑھی جائے۔

......☆......☆......☆......

باب الرجل يفتتح الصلاة قاعدا

هل يجوز ان يركع قائما ام لا ؟

﴿باب...... بیٹھ کر نماز شروع کرنے والا کھڑے ہو کر رکوع کر سکتا ہے یا نہیں﴾

سوال : کیا بیٹھ کر نماز شروع کرنے والا کھڑے ہو کر رکوع کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب : بیٹھ کر نفل پڑھنے والا رکوع اسی حالت میں کرے یا کھڑا ہو کر رکوع میں جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔

پہلا قول : محمد بن سیرین اور بعض اہلظواہر کا ہے ان کے نزدیک وہ بیٹھ کر ہی رکوع اور سجدہ کرے گا، کھڑے ہو کر رکوع میں جانا جائز نہیں۔

دلیل : ان کا استدلال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہے کہ رسول اکرم ﷺ کبھی کھڑے ہو کر نماز شروع فرماتے کبھی بیٹھ کر، کھڑے ہو کر نماز شروع کرتے تو اسی حالت سے رکوع میں جاتے اور اگر بیٹھ کر شروع فرماتے تو رکوع بھی اسی حالت میں کرتے۔

دوسرا قول : ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء اسلام کا ہیان کے نزدیک بیٹھ کر نماز شروع کرنے والا رکوع کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے۔

دلیل : ان کی دلیل بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے آپ فرماتی ہیں میں نے رسول اکرم ﷺ کو کبھی بیٹھ کر نماز پڑھتے نہیں دیکھا البتہ جب آپ عمر رسیدہ ہو گئے تو بیٹھ کر نماز پڑھتے جب رکوع کرنا چاہتے تو کھڑے ہو جاتے اور تقریباً تیس چالیس آیات پڑھ کر رکوع کرتے تو یہ حدیث پہلی روایت کے خلاف نہیں کیونکہ آپ کا بیٹھنے کی حالت میں رکوع کرنا کھڑے ہو کر رکوع کرنے کے خلاف نہیں اور آپ کا کھڑا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس طرح بھی جائز ہے بنا بریں دوسری روایت اولیٰ ہے، امام ابو حنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

باب التطوع فی المساجد

﴿باب......مساجد میں نوافل ادا کرنا﴾

سوال : مسجد میں نفل نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب : اس بارے میں دو قول ہیں۔

پہلا قول : ابراہیم نخعی اور سائب بن یزید کا ہے ان کے نزدیک مساجد میں نوافل ادا کرنا صحیح نہیں صرف وہی نماز مسجد میں پڑھی جائے جس کی ادائیگی لازم ہے مثلاً ظہر یا مغرب کے بعد کی دو رکعتیں (سنتیں) تحیۃ المسجد کی نماز۔

دلیل: ان کی دلیل یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے لوگوں کو مسجد میں نوافل پڑھتے دیکھ کر فرمایا لوگو! یہ نماز گھر میں پڑھی جائے اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ مجھے یہ نماز مسجد کی نسبت گھر میں پڑھنا زیادہ پسند ہے۔؟

دوسرا قول : امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا ہے ان کے نزدیک مسجد میں بھی نوافل پڑھنا اچھا ہے البتہ گھر میں افضل ہے۔

دلیل : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں ایک دن نبی کریم ﷺ کے ہاں ٹھہرا تو آپ نے عشاء کی نماز کے بعد مسجد میں نوافل ادا کیے یہاں تک کہ مسجد میں کوئی نہ رہا، لہذا مسجد میں بھی نوافل پڑھے جاسکتے ہیں لیکن گھر میں افضل ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا آدمی کی غیر فرض نماز گھر میں بہتر ہے اس طرح دونوں قسم کی احادیث پر عمل ہو جائے گا۔

بڑی کامیابی کے لئے ضروری ہے

کہ اہم اور فوری کرنے والے کاموں میں فرق سمجھئے۔

باب التطوع بعد الوتر

﴿باب……وتروں کے بعد نفل پڑھنا﴾

سوال : کیا وتروں کے بعد نوافل ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب : اس بارے میں دو قول ہیں۔

پہلا قول : امام اسحاق اور امام مکحول کا ہے ان کے نزدیک وتر ادا کرنے کے بعد نفل پڑھنا جائز نہیں۔

دلیل: ان کی دلیل یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ شروع شروع میں رات کے پہلے حصے میں وتر پڑھتے تھے پھر درمیان شب پڑھنے لگے اور آخرت میں رات کے آخری حصے میں وتروں کی ادائیگی مستقل ہوگئی اور یہ طلوع فجر کے قریب کا وقت ہے۔

بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت عثمان، ابوبکر صدیق، علی المرتضی اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مسلک ہے اور حضرت ابن عمر فرماتے ہیں جو شخص رات کو وتر پڑھے پھر نفل پڑھنا چاہے تو وتر دوبارہ پڑھے۔

دوسرا قول : جس کے قائلین میں تینوں حنفی آئمہ بھی شامل ہیں ان کے نزدیک وتر پڑھنے کے بعد نفل پڑھنا جائز ہے۔

دلیل: وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے وتر کے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں ادا فرمائیں۔

حضرت انس، ابو امامہ اور ثوبان رضی اللہ عنہم سے بھی اسی مفہوم کی روایات مروی ہیں، جہاں تک پہلے گروہ کی پیش کردہ روایات کا تعلق ہے تو وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہیں لیکن رات کے آخری میں وتر پڑھنے سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ اس کے بعد نفل نہیں پڑھے جاسکتے اور دوسری بات یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ایک رات میں دو وتر نہیں لہذا نفل پڑھنے کے بعد دوبارہ وتر

پڑھنے والی بات صحیح نہ ہوئی اگر کہا جائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں وتروں کے بعد جن دو رکعتوں کا ذکر ہے ہو سکتا ہے وہ صبح کی دو رکعات ہوں تو جواباً کہا جائے کہ یہ بات دو وجہ سے صحیح نہیں ایک یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ السلام کی رات کی نماز سے متعلق سوال ہوا تھا آپ نے اس کا جواب دیا دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ رکعتیں آپ نے بیٹھ کر ادا کیں جب کہ صبح کی دو رکعتیں بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں جہاں تک دو رکعت نفل پڑھنے کے بعد رکعات کے طاق نہ رہنے کا تعلق ہے تو اس کا جواب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یوں دیا گیا ہے کہ اگر میں تین اونٹ ذبح کروں پھر دو ذبح کروں تو کیا یہ طاق نہیں رہیں گے، حضرت ابن عباس عائذ بن عمرو، عمار، ابو ہریرہ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک بھی وتروں کے بعد نوافل پڑھنے سے وتر نہیں ٹوٹتے۔

......☆......☆......☆......

باب القراءۃ فی اللیل کیف ھی؟

﴿باب......شبینہ نماز کی قراءت﴾

سوال: رات کے نوافل میں جہری قراءت افضل ہے یا سری؟ اور سری قراءت مکروہ ہے یا نہیں؟

جواب: رات کی نماز میں بلند آواز سے قراءت کی جائے یا آہستہ، اس سلسلے میں دو قول ہیں۔

پہلا قول: امام حسن بصری رحمۃ اللہ حضرت سیدنا علقمہ اور حضرت سیدنا عکرمہ کا ہے ان کے نزدیک رات کی نمازوں میں جہری قراءت افضل اور سری مکروہ ہے۔

دلیل: یہ حضرت ابن عباس اور حضرت ام ہانی (رضی اللہ عنہم) کی روایات سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ رات کو نماز پڑھتے تو گھر سے باہر آواز آتی۔

دوسرا قول: ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء (امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ) کا ہے، ان

نزدیک دونوں طرح صحیح ہے چاہے بلند آواز سے قراءت کرے چاہے آہستہ آواز سے قراءت کرے۔

دلیل : یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ رات کی قراءت میں کبھی آواز بلند کرتے اور کبھی آہستہ پڑھتے۔

نوٹ : یہ حدیث جامع ہے اس سے حضرت ابن عباس اور ام ہانی رضی اللہ عنہم کی روایت کا رد نہیں ہوتا بلکہ دونوں پر عمل ہوتا ہے۔

......☆......☆......☆......

باب جمع السور فی رکعة

﴿باب......ایک رکعت میں کئی سورتیں جمع کرنا﴾

سوال : کیا ایک ہی رکعت میں ایک سے زیادہ سورتوں کا پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب : اس بارے میں دو قول ہیں۔

پہلا قول : حضرت عامر شعبی اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن کا ہے ان کے نزدیک ایک رکعت میں صرف ایک سورت پڑھنا جائز ہے، اس سے زائد نہیں۔

دلیل : ان کا استدلال حضرت ابوالعالیہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے وہ فرماتے ہیں مجھ سے ایک ایسے شخص نے بیان کیا جس نے سرکار دو عالم ﷺ سے سنا کہ ہر سورت کے لیے ایک رکعت ہے اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

دوسرا قول : ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء (امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ) کا ہے ان کے نزدیک ایک رکعت میں ایک سے زائد سورتیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔

دلیل : ایک رکعت میں ایک سے زائد سورتیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں کیونکہ متواتر روایات سے

ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک رکعت میں دو سورتیں ملاتے تھے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رکعت میں پورا قرآن پاک پڑھتے تھے، نیز سرکار دو عالم ﷺ سے منقول ہے کہ افضل نماز وہ ہے جس میں طویل قراءت ہو، حضرت ابن عمر مغرب کی ایک رکعت میں دو سورتیں جمع فرماتے تھے دیگر صحابہ کرام سے بھی اسی طرح مروی ہے، لہذا روایات کے تواتر اور صحتِ سند کے اعتبار سے اس مفہوم کی روایات کو ترجیح حاصل ہے۔

نیز قیاس بھی اس کا مؤید ہے اور وہ اس طرح کہ جب سورۂ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت ملائی جاتی ہے تو وہاں بھی دو سورتیں جمع ہو جاتی ہیں، حالانکہ اسے مخالف فریق بھی جائز جانتا ہے۔

......☆......☆......☆......

باب القیام فی شہر رمضان

ھل فی المنازل افضل أم الامام؟

﴿باب......قیامِ رمضان گھر میں افضل ہے یا جماعت؟﴾

سوال : رمضان المبارک کی راتوں میں تراویح مسجد میں امام کے ساتھ پڑھنا افضل ہے یا تنہا گھر میں؟

جواب : اس سلسلے میں دو قول ہیں،

پہلا قول : امام اعظم، امام احمد، اور امام اسحاق کا ہے ان کے نزدیک امام کے ساتھ قیام افضل ہے یعنی رمضان المبارک کی راتوں میں تراویح مسجد میں امام کے ساتھ پڑھنا افضل ہے۔

دلیل: سرکار دو عالم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو شخص امام کے ساتھ نماز پڑھ کر گھر لوٹے اس کے لیے باقی رات کے قیام کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے۔

دوسرا قول : امام شافعی، امام مالک، امام حسن بصری کا ہے ان کے نزدیک امام کے ساتھ

نماز تراویح مسجد میں پڑھنے کی بجائے عام نوافل کی طرح یہ بھی گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

دلیل : کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا فرض نماز کے علاوہ انسان کی بہترین نماز وہ ہے جو گھر میں پڑھی جائے ، چنانچہ حضرتِ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما رمضان المبارک میں نوافل یعنی نماز تراویح امام کے پیچھے نہیں پڑھتے تھے اسی طرح کئی دیگر صحابہ کرام بھی الگ نماز پڑھتے تھے۔

سوال : اس باب میں دونوں قسم کی روایات ہیں ان میں تطبیق کیسے ہوگی؟

جواب : ان میں تطبیق یوں ہوگی کہ عام نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے لیکن تراویح مسجد میں پڑھنا افضل ہے اور مسجد میں نوافل پڑھنے سے باقی رات بھی عبادت میں لکھی جاتی ہے یہ بھی اس کی افضلیت پر دلالت کرتی ہے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں ان آثار روایات سے معلوم ہوا کہ رمضان المبارک میں نوافل تنہا گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

نوٹ : حضرت علامہ وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اس نماز سے تہجد کی نماز مراد ہے حضرت امام نووی اور حضرتِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے ارشادِ گرامی کہ آدمی کی گھر میں (پڑھی جانے والی) نماز افضل ہے۔" کے عموم سے وہ نفل نماز خارج ہے جس کے لیے جماعت مشروع ہے اور اسلام کے شعائر میں سے ہے مثلاً عید کی نماز سورج گرہن اور استسقاء کی نماز اور اسی طرح نمازِ تراویح اور تحیۃ المسجد کی نمازیں گھر میں افضل نہیں ہیں، بلکہ یہ مسجد، صحرا اور میدانوں میں پڑھی جاتی ہیں۔

کامیابی کے حصول کے لئے

اور کسی بڑے کام کو اپنی زندگی کا مقصد بنانے کے لئے

وقت کو بہتر طور پر استعمال کرنے کے لئے حکمت عملی تیار کریں۔

باب المفصل هل فيه السجود ام لا؟

﴿باب...... مفصل میں سجدہ ہے یا نہیں؟﴾

سوال : مفصل میں سجدہ ہے یا نہیں؟

جواب : سورۂ حجرات سے آخر قرآن تک کو مفصل کہتے ہیں، سورہ بروج تک طوال مفصل ہے سورہ بروج سے ''لم یکن الذین کفروا'' تک اوساط مفصل اور اس کے بعد والناس تک قصاء مفصل کہلاتا ہے۔

مفصل میں سجدہ تلاوت ہے یا نہیں اس سلسلے میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب : امام مالک، امام حسن بصری اور سعید بن المسیب کا ہے ان کے نزدیک ان سورتوں میں سجدۂ تلاوت نہیں۔

دلیل : حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے سامنے سورۂ نجم پڑھی گئی تو ہم میں سے کسی نے سجدہ نہ کیا، معلوم ہوا کہ اس میں سجدہ نہیں۔

دوسرا مذہب : امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق کا ہے ان کے نزدیک ان سورتوں میں بھی تلاوت کے سجدے ہیں۔

دلیل : دوسرے مذہب والے مذکورہ روایت کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ آپ کا سجدہ نہ کرنا مندرجہ ذیل وجوہ میں سے کسی وجہ سے ہوسکتا ہے۔

(۱) ہوسکتا ہے اس وقت آپ باوضو نہ ہوں۔

(۲) ممکن ہے یہ وہ وقت ہو جب سجدہ کرنا جائز نہیں۔

(۳) شاید اس وقت سجدہ اختیاری ہو واجب نہ ہو۔

(۴) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس صورت میں سجدہ نہ ہو۔

جب یہ چار احتمالات پائے گئے تو دیکھنا ہوگا کہ کیا آپ نے اس کے علاوہ بھی کبھی مفصل کی سورتیں پڑھتے ہوئے سجدہ نہیں کیا اگر کیا ہے تو پہلے تین احتمالات میں سے کوئی احتمال ہوسکتا ہے، چوتھا نہیں تو ہم دیکھتے ہیں، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سرکار دوعالم ﷺ نے سورۂ نجم پڑھی تو ہم میں سے ہر شخص نے سجدہ کیا البتہ ایک بوڑھے نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھائی اور کہا مجھے یہی کافی ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس شخص کو بعد میں حالتِ کفر میں قتل ہوتے دیکھا۔

نوٹ : حضرت ابن عمر، ابو ہریرہ، ابو درداء، اور مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے حضرت علی المرتضٰی عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عمار اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مفصل کی سورتوں میں سجدوں کا قول اور عمل مروی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت آخری قراءت ہے، انہوں نے سرکار دوعالم ﷺ کے وصال کے سال دو مرتبہ آپ کے سامنے قرآن پاک پڑھا لہذا آپ نسخ اور تبدیلی کے بارے میں بہتر جانتے ہیں اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار دوعالم ﷺ کے وصال سے تین سال پہلے اسلام لائے تو آپ کو بھی نبی اکرم ﷺ کے آخری عمل کا زیادہ علم ہے تو جب یہ حضرات مفصل میں سجدوں کا ذکر کرتے ہیں تو یقیناً مفصل میں آیاتِ سجدہ ہیں۔

کامیابی کے لئے اس بات کا تعین ضروری ہے
کہ کیا کرنا کیا بننا ہے۔

باب الرجل یصلی فی رحلہ ثم یاتی المسجد والناس یصلون؟

﴿باب......گھر میں نماز پڑھنے کے بعد جماعت کو پانے والا کیا کرے؟﴾

سوال : اگر کوئی شخص گھر میں نماز پڑھ لے پھر مسجد میں آئے اور جماعت کھڑی ہو تو کیا کرے؟

جواب : اس بارے میں دو قول ہیں۔

پہلا قول : امام شافعی، امام احمد کے نزدیک وہ جماعت کے ساتھ شامل ہو چاہے کسی وقت کی نماز ہو۔

دلیل : حضرت محجن رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے ظہر یا عصر کی نماز گھر پر ادا کی پھر مسجد میں گیا تو رسول اللہ ﷺ کو تشریف فرما دیکھا صحابہ کرام آپ کے گرد تھے اس کے بعد نماز کھڑی ہوئی تو میں بیٹھا رہا نماز کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے پوچھا کیا تم مسلمان نہیں؟ میں نے عرض کیا مسلمان ہوں، آپ نے فرمایا تو کس چیز نے تمہیں ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے روکا میں نے عرض کیا، میں گھر میں پڑھ چکا تھا آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کے ساتھ پڑھو، اگر چہ گھر میں پڑھ چکے ہو، حضرت ابوذر اور یزید بن اسود سوائی رضی اللہ عنہما سے بھی اسی مفہوم کی حدیث مروی ہے۔

دوسرا قول: امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد کا ہے ان کے نزدیک، فجر، عصر اور مغرب کی نماز کے علاوہ نمازیں امام کے ساتھ پڑھی جاسکتی ہیں۔

دلیل : سرکار دو عالم ﷺ کا عصر کے بعد غروب آفتاب تک اور فجر کے بعد طلوع شمس تک (نفل) نماز پڑھنے سے منع کرنا ہے اور چونکہ بعد میں جماعت کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز نفل ہوئی اور نفل طاق رکعتیں نہیں ہوتے، لہذا مغرب کے بعد بھی جماعت میں شامل ہونا جائز نہیں تو

گویا سرکار دوعالم ﷺ کی فجر اور عصر کے بعد نوافل پڑھنے سے ممانعت پہلی روایت کے لیے ناسخ ہے، حضرت ام سلمہ کے غلام ناعم بن اجیل رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں مغرب کی نماز کے لیے مسجد میں جاتا تو کچھ لوگ مسجد کے آخر میں بیٹھے ہوئے دیکھتا وہ صحابہ کرام گھر میں مغرب کی نماز ادا کرتے پھر مسجد میں جماعت میں شریک نہ ہوتے۔

باب الرجل یدخل المسجد یوم الجمعة والامام یخطب هل ینبغی ان یرکع ام لا؟

﴿باب......خطبۂ جمعہ کے وقت نماز پڑھنا؟﴾

سوال : جو شخص مسجد میں اس وقت آئے جب کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو کیا وہ دو رکعتیں پڑھ سکتا ہے؟

جواب : اس مسئلے میں دو قول ہیں۔

پہلا قول : امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق کا ہے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جمعے کے خطبے کے دوران آنے والے کے لئے دو مختصر رکعتیں پڑھنا افضل ہے۔

دلیل : یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتا ہے، کہ حضرت سُلیک غطفانی رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن آئے تو رسول اللہ ﷺ منبر پر (خطبہ دے رہے) تھے حضرت سُلیک رضی اللہ تعالیٰ عنہا نماز پڑھنے سے پہلے بیٹھ گئے آپ نے فرمایا تم نے دو رکعتیں پڑھی ہیں عرض کیا نہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا اٹھ کر دو رکعتیں پڑھو، یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مختلف طرق سے مروی ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی اس مفہوم کی روایت مروی ہے۔

دوسرا قول : امام اعظم، امام مالک کا ہے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جمعے کے خطبے کے دوران نوافل ادا کرنا مروہ تحریمی ہیں اور بغیر کچھ پڑھے بیٹھ جانا واجب ہے۔

دلیل: وہ متواتر روایات ہیں جن میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے جمعہ کے دن

خطبۂ امام کے دوران اپنے ساتھی سے کہا خاموش رہو تو اس نے لغو کام کیا۔

پہلے قول کا جواب : جہاں تک پہلے گروہ کی پیش کردہ روایات کا تعلق ہے تو یہ اس وقت کی بات جب نماز میں گفتگو کرنا جائز تھا، پھر جب نماز میں گفتگو کی ممانعت ہوگئی تو خطبہ میں بھی کلام کرنا ممنوع قرار دیا گیا، **قیاس کا تقاضا** بھی یہی ہے کہ اس وقت نماز پڑھنا مکروہ ہو کیونکہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ جو شخص پہلے سے مسجد میں ہو وہ خطبہ کے دوران نماز نہیں پڑھ سکتا تو باہر سے آنے والے کا بھی یہی حکم ہوگا۔

نوٹ: اگر کہا جائے کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھے، تو اس شخص کو جواباً کہا جائے گا کہ یہ اس وقت کے بارے میں ہے جب نماز پڑھنا جائز ہو یہی وجہ ہے کہ جو شخص طلوع آفتاب کے وقت، دوپہر کو یا غروب شمس کے وقت مسجد میں آئے اس کے لیے دو رکعتیں پڑھنا جائز نہیں، احناف بھی اسی دوسرے مسلک کے قائل ہیں۔

باب الرجل يدخل المسجد والامام فی صلاة الفجر ولم يكن ركع. أ يركع او لا يركع؟

﴿باب ...... فجر کی جماعت کھڑی ہو تو سنتوں کا کیا حکم ہے﴾

سوال : جب کوئی شخص مسجد میں آئے اور فجر کی جماعت کھڑی ہو تو کیا وہ سنتیں پڑھ سکتا ہے؟

جواب : اس بارے میں امام طحاوی نے دو قول ذکر کئے ہیں۔

پہلا قول : امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا ہے ان کے نزدیک فجر کی نماز شروع ہو جانے کے بعد سنت پڑھنا جائز نہیں ہے۔

دلیل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی اکرم

ﷺ نے فرمایا جب نماز کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز جائز نہیں، نیز ان کا استدلال اس روایت سے بھی ہے کہ فجر کی جماعت کھڑی ہوئی تو ایک شخص فجر کی دو رکعتیں پڑھ رہا تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ اس کے پاس تشریف لائے تو تین بار فرمایا کیا تم چار رکعتیں پڑھتے ہو، علاوہ ازیں ایک شخص آیا اور اس نے جماعت کے پیچھے کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھیں پھر جماعت میں شامل ہوا سلام پھیرنے کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: اے فلاں! کیا اسے نماز شمار کرتے ہو جو ہمارے ساتھ پڑھی ہے یا اُسے جو تنہا ادا کی ہے۔

دوسرا قول : امام ابو اعظم، امام ابو یاسف، اور امام محمد کا ہے ان کا مؤقف یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے سنتیں ادا نہ کی ہوں اور وہ سمجھتا ہو کہ سنتیں ادا کر کے میں جماعت میں شریک ہو سکوں گا تو وہ پہلے سنتیں پڑھے۔

دلیل : حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے اور امام نماز پڑھا رہا تھا تو آپ نے فجر کی دو رکعتیں (سنتیں) ادا فرمائیں دیگر صحابہ کرام سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

پہلے قول کا جواب : پہلے قول والے حضرات نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو روایت پیش کی ہے وہ ان کا اپنا قول ہے مرفوع حدیث نہیں دیگر روایات میں جو ممانعت ہے وہ جماعت کے پیچھے کھڑی ہو کر پڑھنے سے متعلق ہے اگر مسجد کے بالکل آخر میں یا کسی کونے میں پڑھنے کے بعد جماعت میں شامل ہو کوئی حرج نہیں علاوہ ازیں فجر کی سنتوں کی بہت زیادہ تاکید وارد ہے، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا بھی یہی (دوسرا) مسلک ہے۔

……☆……☆……☆……

کامیابی کیلئے وقت ضائع کرنے والے عناصر کا جائزہ لیں۔

باب الصلاة فی الثوب واحد

﴿باب......ایک کپڑے میں نماز پڑھنا﴾

سوال : اگر کسی شخص کے پاس دو کپڑے ہوں تو کیا وہ صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھ سکتا ہے، اور اس کی نماز جائز ہوگی یا نہیں، اور اگر ایک ہی کپڑا ہو تو اسے کیسے پہنا جائے؟

جواب : اگر کسی شخص کے پاس دو کپڑے ہوں تو کیا وہ صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھ سکتا ہے، اور اس کی نماز جائز ہوگی یا نہیں، اس سلسلے میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب : امام احمد طاؤس بن کیسان اور محمد بن جریر طبری کا ہے ان کے نزدیک یہ ہے کہ دو کپڑوں کی موجودگی میں صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر کسی کو دوسرا کپڑا حاصل نہ ہو تو ایک کو اپنے اوپر لپیٹ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، اسے بطورِ تہبند استعمال کیا جائے۔

دلیل : ان حضرات کا استدلال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے ایک شخص کو کپڑا لپیٹے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا تو اس کے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا تم میں سے کوئی شخص کپڑا لپیٹ کر نماز نہ پڑھے اور یہودیوں سے مشابہت کا اختیار نہ کرو اگر کسی کے پاس ایک ہی کپڑا ہو تو اسے تہبند کے طور پر استعمال کرے، تو اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ سے کچھ مروی ہے۔

دوسرا مذہب : امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام محمد، امام مالک اور امام اسحاق رحمہم اللہ کا ہے ان کے نزدیک ایک کپڑے میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں چاہے دوسرے کپڑے پر قادر بھی ہو،

دلیل ۱ : ایک شخص نے سرکار دو عالم ﷺ سے پوچھا کہ کیا ایک کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے آپ نے فرمایا کیا ہر شخص کو دو کپڑے میسر ہوتی ہیں،

دلیل ۲ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (بعض اوقات) ایک سے زائد کپڑوں کی موجودگی میں

صرف ایک کپڑے میں نماز ادا کرتے تھے،

دلیــــل ۳: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے، جہاں تک ایک کپڑے کو پہننے کے طریقے کا تعلق ہے تو سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اسکے کاندھوں پر کچھ نہ ہو، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا عمل بھی اسی صورت میں مروی ہے اور اس سلسلے میں تواتر کے ساتھ روایات آئی ہیں، البتہ کپڑا چھوٹا اور تنگ ہو تو ازار بھی باندھی جاسکتی ہے، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جب کپڑا کشادہ ہو تو اسے کاندھوں پر ڈالو اور تنگ ہو تو ازار باندھ کر نماز پڑھو۔

سرکار دو عالم ﷺ کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اسے تہبند، باندھنے کی بجائے اس کے کناروں کو کاندھوں پر دائیں بائیں کر کے ڈالا جائے۔

باب الصلاۃ فی اعطان الابل

﴿باب......اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنا﴾

سوال : کیا اُونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب : اس بارے میں دو قول ہیں۔

پھلا قول : امام احمد، امام اسحاق کا ہے ان کے نزدیک اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے بلکہ کچھ حضرات نے شدت اختیار کرتے ہوئے اسے فاسد قرار دیا ہے۔

دلیل: سرکار دو عالم ﷺ کی حدیث ہے کہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کیا میں بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا : ہاں! پوچھا ؟ کیا میں ان کا گوشت کھانے کے بعد وضو کروں ؟ فرمایا : نہیں (ضروری نہیں)۔ پوچھا ؟ کیا اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھ

سکتا ہوں؟ فرمایا: نہیں۔ عرض کیا ان کا گوشت استعمال کرنے کے بعد وضو کرنا ہوگا؟ فرمایا: نہیں، اس مضمون کی دیگر روایات بھی مروی ہیں۔

دوسرا قول : امام اعظم، امام مالک، امام شافعی رحمھم اللہ کا ہے ان کے نزدیک اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے، البتہ اجتناب بہتر ہے۔

دلیل : سرکار دو عالم ﷺ کا اس سے منع کرنا اس لیے نہیں کہ وہ جگہ ناپاک ہے ورنہ بکریوں کے باڑے میں بھی نماز جائز ہوگی اور ناپاک جگہ کوئی بھی ہو وہاں نماز پڑھنا جائز نہیں اس میں اونٹوں کے باڑے کی تخصیص نہیں ممانعت کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اونٹوں کے مالک عام طور پر ان کی آڑ میں پیشاب کرتے ہیں، لہذا انہیں جگہ کے ناپاک ہونے کا خدشہ ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت شریک کی روایات میں ہے یا اس لیے منع کیا گیا کہ اونٹ وحشی جانور ہے، لہذا نقصان کا خطرہ ہوتا ہے جیسے حضرت یحیٰی بن آدم کی روایت میں ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے، سرکار دو عالم ﷺ اونٹ کو سامنے رکھ کر نماز پڑھتے تھے گویا مطلقاً ممانعت نہیں **قیاس بھی** اسی دوسرے موقف کی تائید کرتا ہے کیونکہ گوشت اور پیشاب کے اعتبار سے اونٹ اور بکری کا حکم ایک ہے، اور جب بکریوں کے باڑے میں نماز جائز ہے تو اونٹوں کے باڑے میں بھی جائز ہوگی۔

......☆......☆......☆......

کامیاب لوگوں میں احساسِ ذمہ داری.
کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔

باب الامام یفوتہ صلاۃ العید

ھل یصلیھا ام لا؟

﴿باب......عید کی نماز دوسرے دن پڑھنا﴾

سوال: اگر چاند تاخیر سے نظر آئے یا کسی اور وجہ سے پہلے دن نماز عید ادا نہ کی گئی تو اگلے دن نماز عید پڑھی جائے گی یا نہیں؟

جواب: اس بارے دو مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام ابو یوسف، امام محمد، امام احمد، امام اسحاق کا ہے ان کے نزدیک اگر عید کے دن نمازِ عید رہ جائے تو دوسرے دن پڑھی جائے۔

دلیل: استدلال یوں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے زمانے میں عید کا چاند نظر آیا دوسرے دن زوال آفتاب کے بعد چاند دیکھنے کی اطلاع ملی، آپ نے لوگوں کو روزہ توڑنے کا حکم دیا اور دوسرے دن عید گاہ میں جا کر ان کو نماز پڑھائی۔

دوسرا مذہب: امام اعظم، امام شافعی امام مالک اور علامہ طحاوی کا ہے ان کے نزدیک یہ ہے کہ دوسرے دن یہ نماز نہ پڑھی جائے۔

دلیل: یہ حدیث جو تم نے پیش کی ہے حفاظِ حدیث نے حضرت ہشیم (راوی) سے روایت کرتے ہوئے نماز پڑھنے کا ذکر نہیں کیا، حضرت یحیٰی بن حسان اور سعید بن منصور حضرت ہیثم کے الفاظ کو زیادہ یاد رکھنے والے ہیں وہ نماز پڑھنے کے الفاظ ذکر نہیں کرتے تو معلوم ہوا کہ عید گاہ کی طرف جانا محض دعا اور شوکت اسلام کے اظہار کے لیے تھا، چنانچہ اس مقصد کے لیے سرکار دو عالم ﷺ حیض والی عورتوں کو بھی عید گاہ کی طرف نکلنے کا حکم دیتے تھے حالانکہ وہ نماز نہیں پڑھتی تھیں۔

تو جب حدیث پاک سے اس اختلاف کا فیصلہ نہ ہوا تو قیاس کی طرف رجوع کیا گیا، ہم

دیکھتے ہیں کہ نمازیں دو طرح کی ہیں ایک وہ جو اپنے وقت سے رہ جائیں تو اسی دن ان کو قضا کیا جا سکتا ہے، مثلاً پانچ اوقات کی نمازیں ہیں، ایسی نمازیں دوسرے دن بھی پڑھی جا سکتی ہیں، اور بعض ایسی نمازیں ہیں جو اپنے وقت سے رہ جائیں تو اس دن کے باقی کسی حصے میں انہیں نہیں پڑھ سکتے، لہذا یہ نمازیں دوسرے دن بھی پڑھنا جائز نہیں مثلاً جمعۃ المبارک کی نماز ہے، جب عید کی نماز کو دیکھا تو وہ دوسری قسم کی نمازوں کے مشابہ ہے لہذا اگر پہلے دن نہ پڑھ سکیں تو دوسرے دن بھی نہیں پڑھیں گے۔

باب الصلاۃ فی الکعبۃ

﴿باب......کعبہ شریف میں نماز پڑھنا﴾

سوال: کیا کعبہ شریف کی عمارت میں نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: اس ضمن میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام مالک، امام احمد کا ہے ان کے نزدیک کعبہ کی عمارت میں نماز ناجائز ہے۔

دلیل: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ (فتح مکہ کے موقع پر) بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے تو آپ نے اس کے تمام کناروں میں دعا مانگی لیکن اس میں نماز نہیں پڑھی باہر تشریف لائے تو فرمایا: یہ قبلہ ہے۔

دوسرا مذہب: احناف کا ہے ان کے نزدیک بیت اللہ شریف میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

دلیل: انہوں نے متعدد روایات سے ثابت کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے بیت اللہ شریف میں نماز پڑھی ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نبی اکرم ﷺ حضرت اسامہ بن زید اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم کے ہمراہ بیت اللہ شریف داخل ہوئے جب باہر تشریف لائے تو میں نے پوچھا سرکار دو عالم ﷺ نے کہاں نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے بتایا: کہ سامنے کی طرف۔

چونکہ حضرت اسامہ بن زید سے دو مختلف روایتیں آئی ہیں لہذا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا جائے گا اور وہ نماز پڑھنے کے بارے میں ہے، اگر یہ کہا جائے کہ بیت اللہ شریف کی پوری عمارت قبلہ ہے اور وہاں نماز پڑھنے والا پورے قبلہ کی طرف رخ نہیں کرتا تو اس کو جواب یوں دیا جائے گا کہ بیت اللہ شریف کی عمارت کے باہر نماز پڑھنا سب کے نزدیک جائز ہے، حالانکہ وہاں عمارت کے کسی ایک کونے کی طرف رخ کرلیا جائے تو نماز جائز ہوگی اسی طرح عمارت کے اندر بھی ایک کونے کی طرف رخ ہوگیا تو نماز جائز ہوگی۔

جہاں تک سرکار دو عالم ﷺ کے باہر تشریف لانے کے بعد یہ بات فرمانے کا تعلق ہے کہ یہ قبلہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے اگر تم یہاں امام کے ساتھ نماز پڑھو تو امام کا قبلہ یہ ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ عمارت کے اندر نماز پڑھنا جائز نہیں۔

☆......تمت بالخیر......☆

کامیاب لوگ ہر کام کا ہدف متعین کرتے ہیں
پھر اُس میں کام ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ان شاء اللہ عزوجل

آئیندہ اشاعت میں نظر طحاوی اور وہ دیگر چیزیں جو اس میں آپ کی جانب سے موصول ہوں گی۔ اس کو شامل کیا جائے گا۔

اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلّ

عنقریب آپ حاصل کر سکیں گے

ما آتٰکم الرسول فخذوہ وما نہٰکم عنہ فانتھوا ط

جامعات المدینہ، اور تنظیمُ المدارس کے تحت دورۃ الحدیث کے نصاب میں داخل

حدیث کی مشہور کتاب بخاری شریف

بنام

«نصاب بخاری شریف»

(عربی، آسان اردو ترجمہ، سوالاً جواباً تشریح)

(امتحانات کے امکانی سوالات کے ساتھ پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے)

......☆......☆......

مرتب : ابو حامد **خلیل احمد** عطاری المدنی عفی عنہ

باھتمام : ابو صابر **محمد ابراھیم** عطاری سلمہ الباری

......☆......☆......

الغنی پبلشرز

کراچی بہاولپور۔۔۔ **ph: 03343463826**

اِنْ شَاءَ اللهُ عَزَّوَجَلّ

عنقریب آپ حاصل کرسکیں گے

ما آتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا لا

جامعات المدینہ، اور تنظیم المدارس کے تحت دورۃ الحدیث کے نصاب میں داخل
حدیث کی مشہور کتاب صحیح مسلم شریف

بنام

﴿نصاب مسلم شریف﴾

(عربی، آسان اردو ترجمہ، سوالاً جواباً تشریح)

(امتحانات کے امکانی سوالات کے ساتھ پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے)

......☆......☆......

مرتب: ابو حامد **خلیل احمد** عطاری المدنی عفی عنہ

باہتمام: ابو الحسنین **محمد احمد** قادری سلمہ الباری

......☆......☆......

الغنی پبلشرز

کراچی بہاولپور۔۔۔ ph: 03343463826

اِنْ شَاءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ

عنقریب آپ حاصل کر سکیں گے

ما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا ؕ

جامعات المدینہ، اور تنظیمُ المدارس کے تحت دورۃ الحدیث کے نصاب میں داخل
حدیث کی مشہور کتاب سنن نسائی

بنام

﴿نصاب سنن نسائی﴾

(عربی، آسان اردو ترجمہ، سوالاً جواباً تشریح)

(امتحانات کے امکانی سوالات کے ساتھ پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے)

......☆......☆......

مرتب: ابو حامد **خلیل احمد** عطاری المدنی عفی عنہ
باھتمام: **محمد احمد** قادری سلمہ الباری

......☆......☆......

الغنی پبلشرز

کراچی بہاولپور ـــــ ph: 03343463826

اِنْ شَاءَ اللّٰہ عَزَّوَجَل

عنقریب آپ حاصل کر سکیں گے

جامعات المدینہ، اور تنظیم المدارس کے تحت دورۃ الحدیث کے نصاب میں داخل

حدیث کی مشہور کتب

بنام

﴿نصاب سنن ترمذی﴾

﴿نصاب ابو داؤد شریف﴾

﴿نصاب ابن ماجہ شریف﴾

(عربی، آسان اردو ترجمہ، سوالاً جواباً تشریح)

(امتحانات کے امکانی سوالات کے ساتھ پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے)

……☆……☆……

مرتب: ابو حامد **خلیل احمد** عطاری المدنی عفی عنہ

باھتمام: **محمد احمد** قادری سلمہ الباری

……☆……☆……

الغنی پبلشرز

کراچی بہاولپور---**ph: 03343463826**

عنقریب

الغنی پبلشرز

ایک بہترین فروفیشنل ویب سائٹ

لانچ کرر ہا ہے۔ جس پر ہر شخص، ہر مسلمان خصوصاً طلباء اور بالخصوص طلباءِ علم دین کے لئے بہترین مواد فراہم کیا جائے گا اور اس ویب سائٹ پر تنظیم المدارس اہلسنت (پاکستان) کے تمام درجات عامہ خاصہ عالیہ عالمیہ سال اول اور دوم کا اپ ڈیٹ یعنی ہر نیا نصاب اور اس کا حل آپ نہ صرف پڑھ سکیں گے بلکہ Download بھی کر سکیں گے۔ اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ

اس وقت آپ اس ویب سائٹ کو اس نام سے وزٹ کر سکتے ہیں۔

www.alghanipublisher.webs.com

عنقریب آپ اس نام سے وزٹ کر سکیں گے۔

www.alghanipublisher.com

الغنی پبلشرز

الغنی پبلشرز کی دیگر مطبوعات

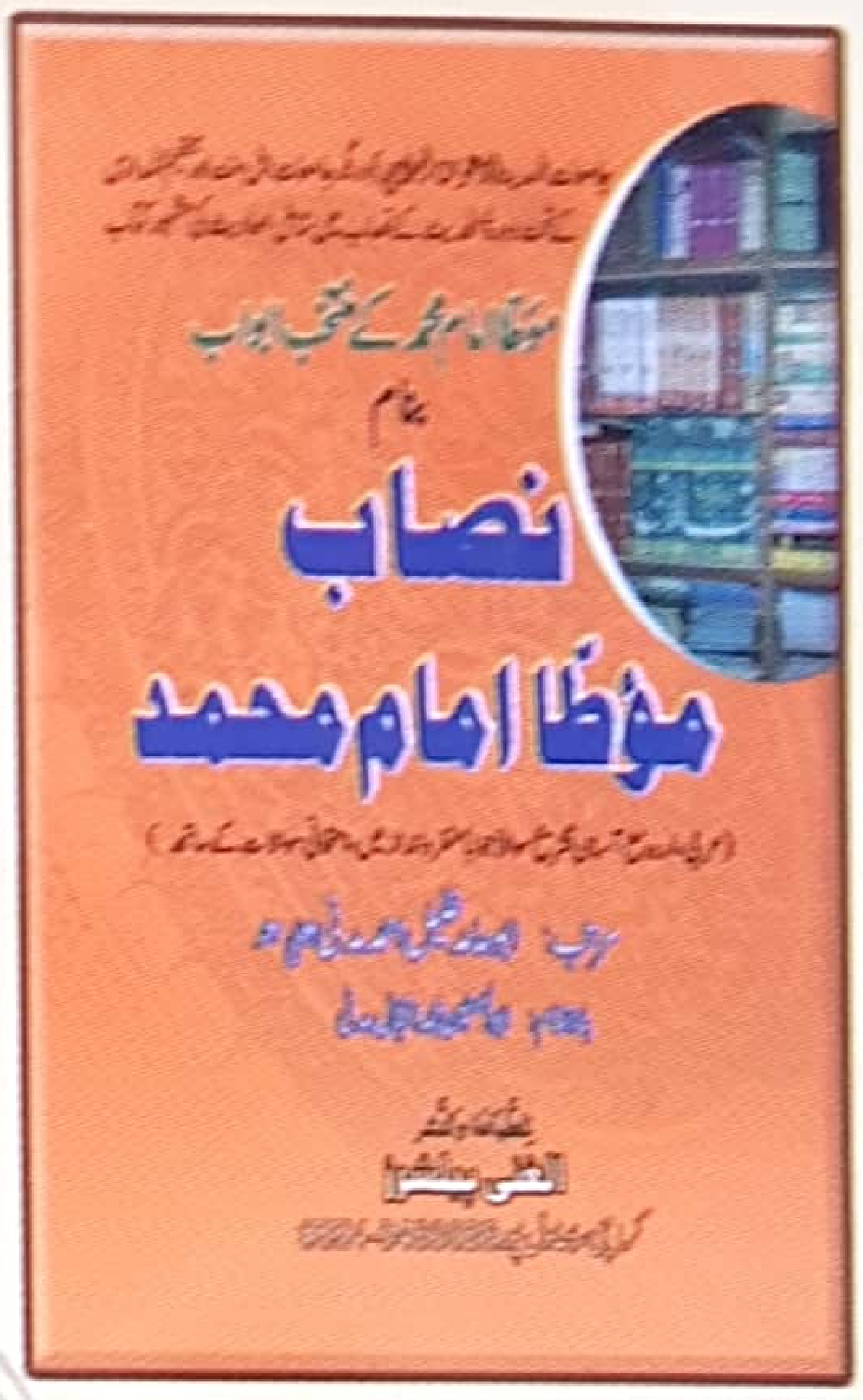

موسوم بہ

نصاب

مؤطا امام محمد

الغنی پبلشرز

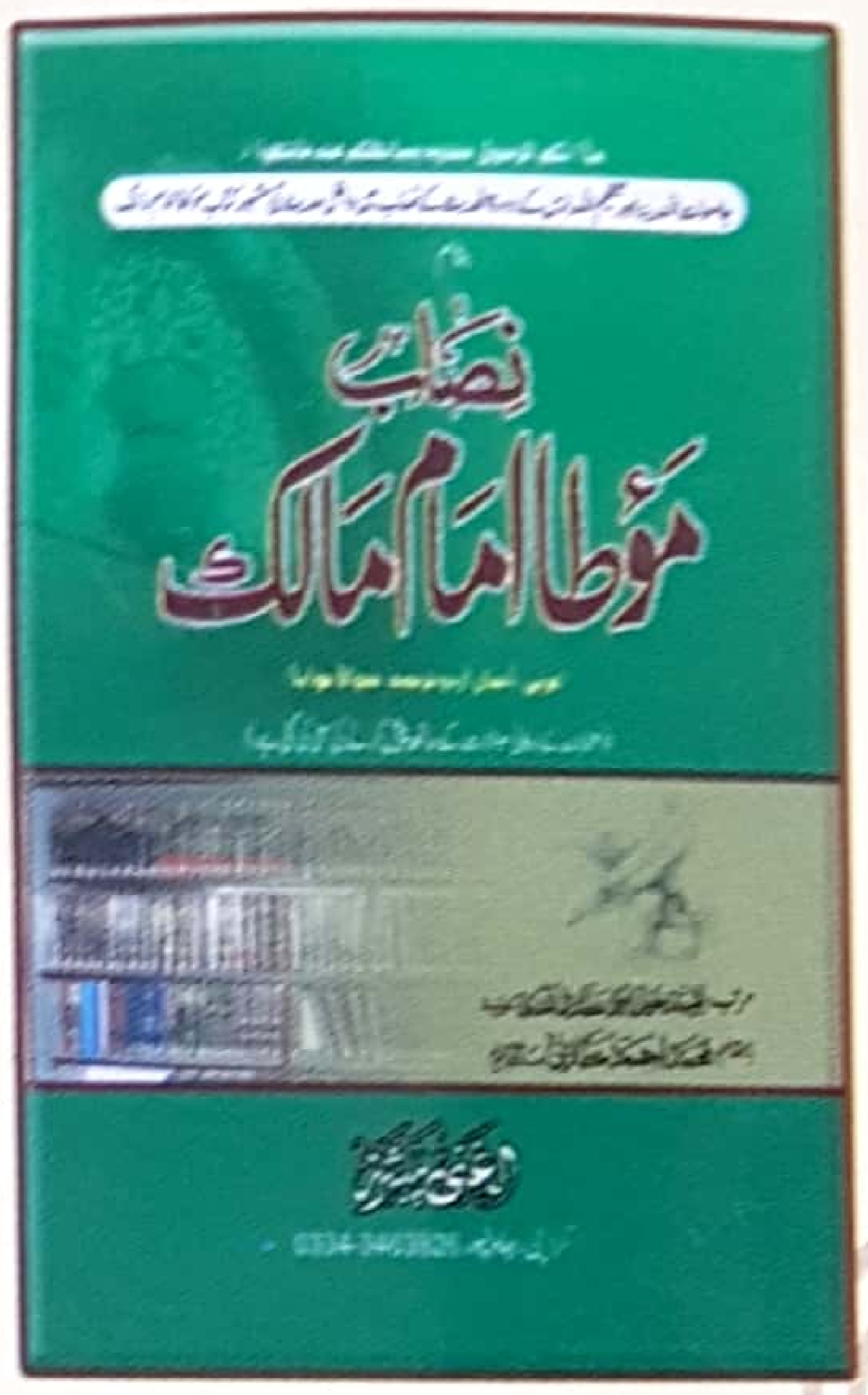

نصاب

مؤطا امام مالک

الغنی پبلشرز

0334-3463826

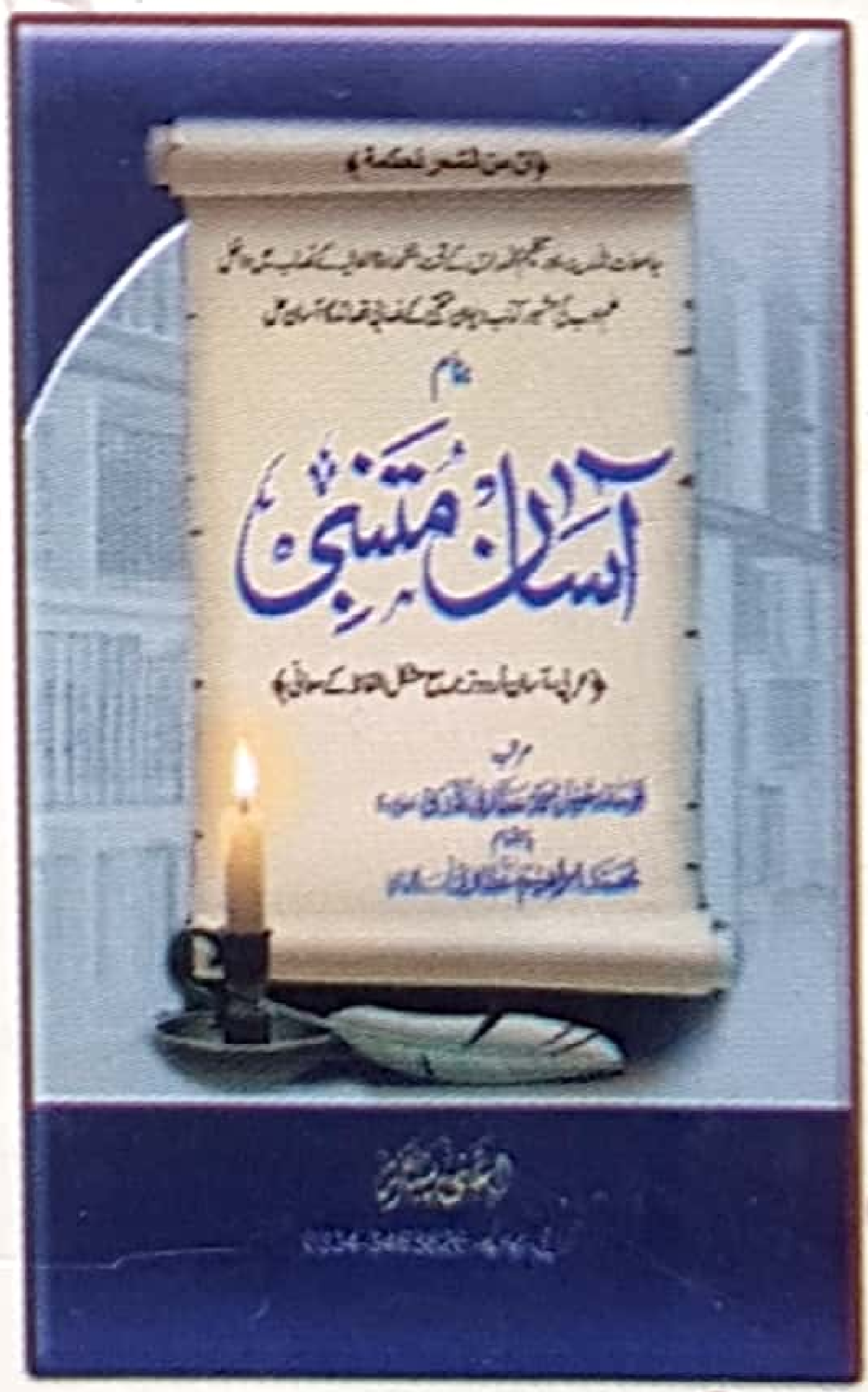

آسان متنبی

الغنی پبلشرز

0334-3463826

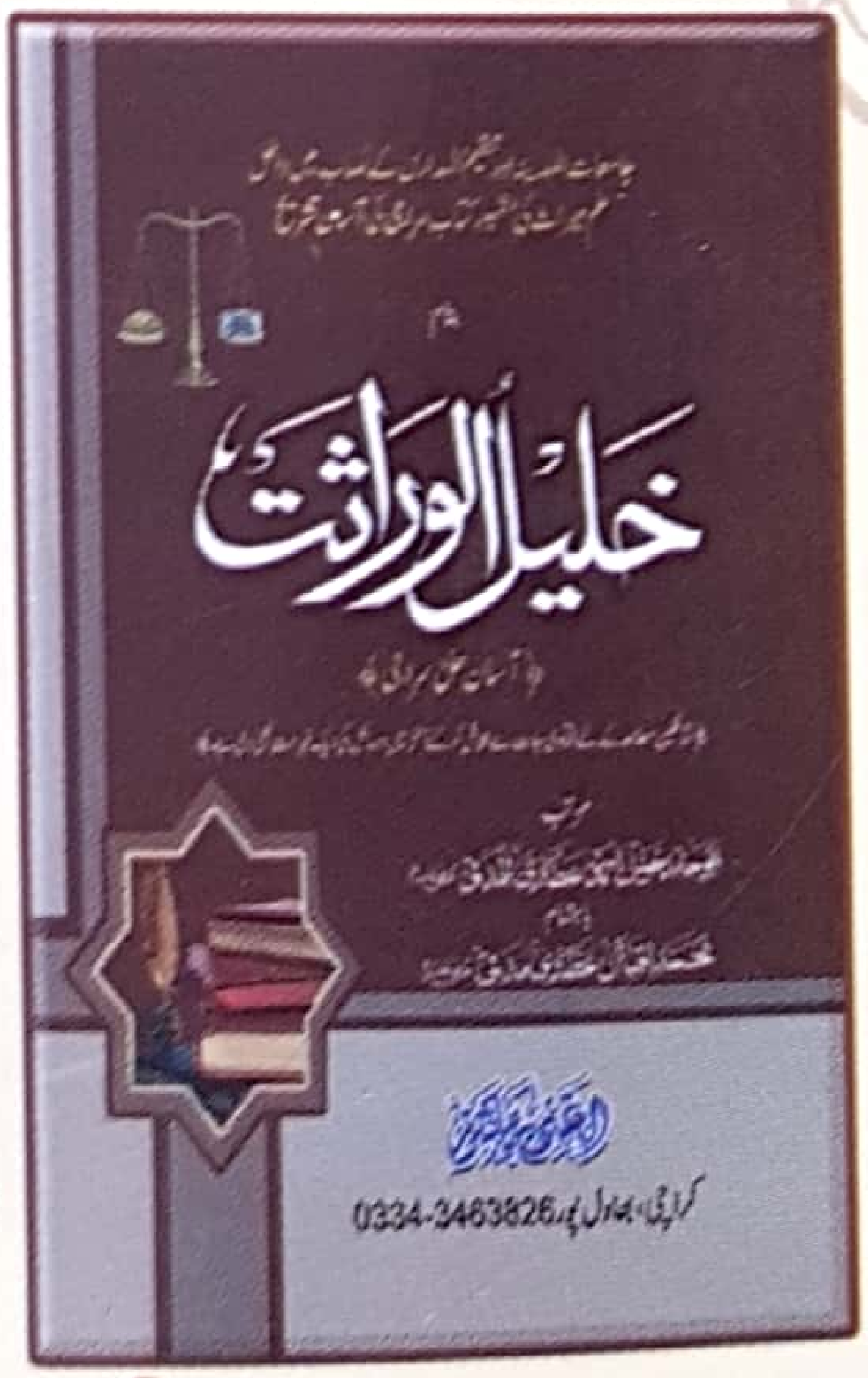

خلیل الوراثت

الغنی پبلشرز

0334-3463826